فکر یونس

حافظ حدیث حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
کی محققانہ فکر کا سنجیدہ علمی مطالعہ

مؤلف

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ندوی
آکسفورڈ، برطانیہ

ناشر

دار البحوث والنشر
مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

فکرِ یونس

حافظ حدیث حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جونپوریؒ
کی محققانہ فکر کا سنجیدہ علمی مطالعہ

مؤلف
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ندوی
آکسفورڈ، انگلینڈ

ناشر
دار البحوث والنشر
مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ مطبوعات مرکز احیاء الفکر الاسلامی..............................(۵۵)

نام کتاب: فکر یونس

تالیف: حضرت مولانا محمد اکرم صاحب ندوی

صفحات: ۱۶۴/

تعداد: ۱۱۰۰/

قیمت: ۱۰۰/روپئے

سنہ اشاعت................ ۲۰۱۹ء مطابق ۱۴۴۰ھ

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر مرکز احیاء الفکر الاسلامی

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058, 09719639955

Email. masoodazizi94@gmail.com - www.mifiin.org

☆ دار الکتاب، دیوبند، سہارنپور (یوپی) ☆ نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند سہارنپور

☆ مکتبہ ابوالحسن، محلّہ مفتی سہارنپور ☆ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ اتحاد بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور ☆ الفرقان نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

انتساب

میں اس کتاب کو خلوص اور عقیدت کے ساتھ شیخ مکرم حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ کے مقرب شاگرد مشفق معظم جناب مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مقیم بلیک برن (برطانیہ) کے نام معنون کرتا ہوں، جو حضرت شیخ تک میری رسائی اور قربت کا ذریعہ بنے اور ہمیشہ میری علمی وعملی ترقی کے خواہشمند اور اس کے لئے دعا گو رہے۔

محمد اکرم ندوی

فہرست مضامین

فصل اول: مختصر سوانح

فصل دوم: ایک مینارۂ بحث وتحقیق

فصل سوم: حنفی مسلک میں اختلاف کی روایت

فصل چھارم: شیخ یونس اور علم حدیث

فصل پنجم: شیخ یونس اور صحیح بخاری

فصل ششم: شیخ یونس اور فقہ

فصل ہفتم : شیخ یونس اور کلام

فصل ہشتم : شیخ یونس اور تصوف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سورتی مدظلہ العالی
ناظم مجلس دعوۃ الحق، لسٹر، یوکے

محبّ مکرم صاحب المجد والفضیلہ والتحقیقات العلمیہ مولانا محمد اکرم ندوی حفظہ اللہ نے ایک مفصل قیمتی مضمون بلکہ رسالہ استاذ نا العلام محقق زمانہ، محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمہ اللہ کی حیات مبارکہ اوران کے افکارونظریات پرتحریرفرمایاہے۔

حضرت مولانا نے درجات علیا کی تعلیم مظاہرعلوم کی چہار دیواری میں رہ کر پائی ہے، بلکہ ابتدائی ومتوسطات کی تعلیم بھی، مظاہرعلوم کے فارغ اور فیض یافتہ علماء حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فیض آبادی ثم جونپوری اور حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب فیض آبادی سے پائی ہے، اس طرح گویا آپ کی تمام ترتعلیم مظاہرعلوم ہی کا فیض ہےاورآپ اس کے درخشندہ ستارے ہیں۔

مگرحضرت الاستاداپنے وسیع ترین مطالعہ اورمنفردتحقیقات اورمخصوص مزاج کے سبب اپنے دور کے محدث عصراورنادرالمثال عبقری شخصیات میں شمار کئے جانے لگے، اللہ تعالی نے انہیں غیرمعمولی قوت اخذ وفہم عطافرمائی تھی، آپ نے انتہائی محنت اور شبانہ روز جدوجہد کی وجہ سے معاصرین اوراساتذہ میں ایک مخصوص مقام پیدا کرلیا تھا، رات دن کتابوں میں مستغرق رہتے اورتمام فکروں سے بےفکر ہوکرعلم وتحقیق کے بحربیکراں میں غواصی کرتے رہتے، اس پرمستزادقوت حافظہ اورعمیق استخراج وتحقیق کی صلاحیت نے

انہیں ایک ممتاز مقام پر لا کھڑا کیا، مولانا نے اپنی زندگی علم حدیث کے لئے وقف کردی وہی آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا، آپ کا مطالعہ صرف درسی کتب اور اس کی شروح کی حد تک نہیں تھا بلکہ آپ نے متقدمین کی تمام کتب جو بھی مل گئیں بالخصوص امام ذہبی، امام مزی، علامہ زیلعی، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر وغیرہم اور متون احادیث واسماء رجال کی کتابوں پر بالاستیعاب نظر کی، انہیں نہ صرف پڑھا بلکہ ان کے مضامین ذہن میں مستحضر اور ان پر نقد ونظر اور عادلانہ محاکمہ کیا۔

بلاشبہ ان کی تنہا زندگی کئی متبحر علماء کی زندگی اور ان کا علمی کام ایک اکیڈمی کا کام ہے، آپ کا شمار وقت کے کثیر المطالعہ، وسیع العلم علماء ومحدثین میں ہوتا ہے، جن کی نظیر متقدمین میں خال خال نظر آتی ہے۔

ضروری تھا کہ آپ کے ان فوائد ونوادر اور خصوصیات علمیہ وعملیہ کو مرتب کیا جائے اور منظر عام پر لایا جائے اور ان سے تحقیقی وعلمی شاہراہ متعین کی جائے، ڈاکٹر اکرم صاحب نے حضرت سے اپنے تعلق خاص کا اظہار کرتے ہوئے ان غرر النقول کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، اللہ تعالی اسے مفید عام اور مقبول انام بنائے۔

اخیر میں یہ بات عرض کرنی بھی ضروری ہے کہ احقر نے یہ جملہ بارہا حضرت الاستاذ رحمہ اللہ سے ہی سنا کہ ”كل يؤخذ من قوله ويترك إلا النبي صلى الله عليه وسلم“ اور کسی کی بات بھی حرف آخر نہیں، علم وہ بحر عمیق ہے جس کی تہہ تک رسائی آسان نہیں، والعلم عند اللہ سبحانہ۔ والسلام

کتبہ

الفقیر الی رحمت ربہ

محمد ایوب سورتی

۲۲/۵/۱۴۴۰ھ

۲۹/جنوری ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور، یوپی

اہل علم ونظر حضرات جانتے ہیں کہ انسان جب کثرت سے مطالعہ کرتا ہے، علماء ومفکرین کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا ہے، سلف اور خلف کی چیزوں کو پڑھتا ہے، ان کے نظریات وافکار کا سنجیدگی سے جائزہ لیتا ہے، یا کسی مفکر اور محقق کی صحبت اختیار کرتا ہے اور اس کے شب وروز، اس کی زندگی کے افعال وکردار، اور اس کے اقوال واعمال کو دیکھتا ہے اور وہ خود اخاذ اور نقاد بھی ہوتا ہے اور ہر طرح کے دلائل اس کے سامنے ہوتے ہیں، اور پھر اپنا مستقل دینی، علمی تجربہ بھی ہوتا ہے، اس وقت انسان کا اپنا ایک نظریہ، اپنی ایک فکر بن جاتی ہے۔

امت میں اس طرح کے مفکرین اور محققین کی ایک تاریخ ہے، ایک سلسلہ ہے، جنہوں نے اپنے پیش رو بزرگوں اور اکابر سے کسب فیض کیا، یا ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اور عالم رنگ وبو کا مشاہدہ کیا اور پھر کسی نتیجے پر پہنچے اور اس مطالعہ ومشاہدہ کی روشنی میں جو فکر ونظریہ وجود میں آیا، اس میں انہوں نے جلا بخشی اور امت کے سامنے پیش فرمایا، ان کے شاگردوں، اہل تعلق، معتقدین اور منتسبین نے ان کی فکر سے کسب فیض کیا، اور لوگوں کی رہنمائی کی، یہ تاریخ کا ایک مستقل اور سنہرہ باب ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی حضرت علامہ شیخ محمد یونس صاحب جونپوریؒ ہیں،

جنہوں نے اپنی زندگی بخاری شریف اور علم حدیث کے لئے وقف کردی، اورانہوں نے اس کثرت سے متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کیا کہ وہ ان کو مستحضر ہوگئیں، جب کہ وہ اپنے بزرگوں اور عبقری اساتذہ کی صحبت اور خدمت سے علمی اور روحانی طور پر مستفید ہو چکے تھے، انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم مشن کتب بینی، مطالعہ اور درس وتدریس کو بنایا، راقم اپنی محدود معلومات کے مطابق عرض کرتا ہے کہ شاید قریب کے دور میں شیخ یونس سے زیادہ کسی کا مطالعہ ہو، اور اگر ہو بھی تو مسائل ودلائل اور اقوال کا شاید اس قدر استحضار کسی کو نہ ہو، مگر شیخ یونس کو اللہ تعالی نے بلا کا حافظہ، زبردست ذہانت اور قوت اخذ عطا کی تھی کہ اس کی نظیر نہیں، اس لئے وہ بہت ہی عبقری شخصیت کے مالک تھے، محدثین کے اقوال، مفکرین کی عبارتیں، رجال پر کلام اور ہر مسئلہ کی تحقیق پر ان کے علمی دلائل، ان تمام باتوں پر ان کی گرفت مضبوط تھی، ان سے کوئی بھی مسئلہ یا بات پوچھی جاتی تو وہ فوراً اس سلسلہ میں علماء متقدمین کے اقوال اس طرح پیش فرماتے جیسا کہ وہ ابھی دیکھ کر آئے ہوں، پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ اقوال نقل کرتے، ان کے دلائل پیش فرماتے، پھر ان کے نزدیک جو بات قابل عمل یا راجح ہوتی اس کو بیان کرتے، انکے وفور علم اور استحضار کی وجہ سے بڑے بڑے مسائل اور تحقیقات حل ہو جاتیں، تحقیقات کا ان کو اس قدر ذوق وملکہ اور صلاحیت حاصل تھی کہ بڑے بڑے علماء بھی ان سے اہم مسائل کی تحقیق وجستجو میں رجوع کرتے، خود ان کے شیخ واستاذ حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ جیسے جلیل القدر علماء بھی ان سے احادیث کی تحقیق وتخریج کے سلسلہ میں مکاتبت ومراسلت کرتے، اس سلسلہ میں ان کی جو تحقیقات ہیں وہ ''الیواقیت الغالیہ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جس سے ان کے علمی عظمت اور تحقیقی صلاحیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ ایسے عظیم عالم دین، محدث جلیل، شیخ الحدیث کی فکر ونظر کو امت کے سامنے پیش کرنے کے لئے حضرت العلام ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ندوی نے

’’فکر یونس‘‘ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس کے مطالعہ سے حضرت شیخ کا سراپا، ان کی سوچ اوران کا علمی ملکہ ومہارت اور حدیث پاک میں ان کا درک اوران کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے،اور حضرت شیخ کے متعلق آپ کی زندگی میں لوگوں میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ان کا ازالہ ہوتا ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ مسلکی تعصب سے پاک تھے،اوران کے یہاں بہت توسع تھا،اورانھوں نے علوم کی محققانہ تعلیم وتشریح کا کام کیا ہے،اوروہ ایک مظلوم محقق معلوم ہوتے ہیں،مولانا اکرم صاحب نے یہ کتاب ایک نئے انداز اور البیلے اسلوب میں تحریر کی ہے،اور حضرت شیخ کی فکر، ان کا نظریہ، ان کا علمی مقام، حدیث کے میدان میں ان کا رتبہ اوران کی مرجعیت ،سوچنے اور سمجھنے کا ان کا انداز، ان کی فراست وتدبر، ان کا طرز تدریس، ائمہ متقدمین کی کتابوں ومراجع سے ان کی واقفیت اور متاخرین کی آراء کا محققانہ تجزیہ، علم فقہ، علم کلام اور تصوف میں ان کی مجتہدانہ ومحدثانہ شان اس انداز سے پیش کی ہے جو عام دیگر مصنّفین اور مؤلفین کی کتب میں شاید نہ ملے، جس سے خود مصنف کی علمی رفعت وبلندی کا اندازہ ہوتا ہے، چونکہ مولانا اکرم صاحب حضرت شیخ کے وطن جونپور سے تعلق رکھتے ہیں، اور حق شفعہ جیسے مسکونات وآراضی میں ہے، وہ علمی وتحقیقی اور تاریخی کاموں میں بھی ہے،اس لئے اللہ تعالی نے حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کو حضرت شیخ پر یہ کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

مولانا ڈاکٹر اکرم صاحب ندوی خود بڑے عالم دین، محقق وناقد، عظیم مصنف اور مفکر وقلمکار ہیں، اور بیک وقت اردو، عربی اور انگریزی میں تحریر وخطابت کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کا علم بہت وسیع ، ان کی فکر بہت بلند اوران کا انداز تحریر بہت عمدہ ہے، وہ جب لکھتے ہیں تو ان کا قلم موتی بکھیرتا ہے، جو ادبی شہ پارے بن جاتے ہیں، وہ جب بولتے ہیں تو ان کی زبان سے پھول جھڑتے ہیں، اللہ تعالی نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، حضرت شیخ بھی ان کی قدر کرتے تھے، ان کی شان میں بلند کلمات ارشاد فرماتے تھے

اور اپنی محبت سے نوازتے تھے، مولانا اکرم صاحب نے حضرت شیخ کے حالات اور ان کی اسناد پر عربی زبان میں بھی عمدہ کتاب لکھی ہے، جو بہت عمدہ اور مقبول ہے۔

مولانا اکرم صاحب بڑے محدث ہیں، اور حدیث میں ان کو بہت سے چوٹی کے مشائخ سے اجازت حاصل ہے، ان کی معرکۃ الآراء اور مشہور کتاب ''محدثات'' ہے، جو ''دارالمنہاج'' جدہ سے شائع ہورہی ہے، یہ کتاب چالیس سے زیادہ جلدوں میں ہے، اور اس میں دس ہزار سے زیادہ محدثات کا تذکرہ ہے، طبقہ نسواں پر تاریخ انسانی کی یہ سب سے عظیم اور اہم کتاب ہے، اللہ تعالی مولانا اکرم صاحب ندوی کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائے، اور ان کو صحت وعافیت کے ساتھ تادیر سلامت باکرامت رکھے، اور امت کو ان کے علم سے مستفیض فرمائے اور یہ کتاب جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں بھرپور کامیابی عطا فرمائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

والسلام

محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر اسلامی، مظفرآباد

۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۴۰ھ

مطابق ۱۳/ فروری ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله محمد النبي الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

داغِ دلِ خوں گشتہ سے پنجہ جو ملاتا
ایسا تو کوئی لالہ گلستاں میں نہ پھولا

استاذ مکرم، شیخ معظم وحافظ حدیث، مستجمع کمالات ظاہرہ وباطنہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی علوم ومعارف میں نمونہ سلف تھی، اورفن حدیث پر عبوراور صحیح بخاری کی اسانید، متون اور تراجم کے تفقہ میں منقطع النظیر، آپ کے دروس میں امام علی ابن المدینی، امام بخاری، امام دار قطنی، حافظ ابن حجر وغیرہ جہابذہ حدیث کی یاد تازہ ہوتی، اور آپ کی مجلسوں میں امام خطابی، حافظ ابن عبدالبر، امام نووی، امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ محققین کی نکتہ سنجیوں اور معنی آفرینیوں سے واقفیت ہوتی، اس عہد انحطاط وزوال، وپابند سلاسل تنگ نظری وجمود میں آپ کا وجود ایک معجزہ سے کم نہیں تھا، بحث وتحقیق کے میدان میں آپ کے حدود وابعاد کا احاطہ ناممکن ہے، آپ آئے اور چلے گئے، اور آپ کے مقام منزلت پر پردۂ خفا پڑا رہا، بقول نظیری:

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی وکس قدر تو نشناخت دریغ

پس منظر: آپ (۱) کا نام پہلی بار سنہ ۱۳۹۲ ہجری میں سنا، اس وقت راقم ۹ رسال

(۱) اس کتاب میں حضرت شیخ یونس رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی ''حضرت شیخ''، کبھی ''استاذ مکرم/محترم'' اور عام طور سے ''آپ'' کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔

کا تھا اور مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں، جونپور میں فارسی کی ابتدائی جماعت کا طالب علم تھا، آپ ہمارے خاص ومحبوب استاد مولانا عبدالعلی مانوی مدظلہ [1] کے ہم سبق تھے، مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہوکر آپ وہیں مدرس مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے شیخ الحدیث کے عہدے پر سرفراز ہوئے، قدرتی طور پر مدرسہ ضیاء العلوم میں اس کا چرچا تھا، مدرسہ کے لئے بڑے فخر ونازکی بات تھی کہ اس کا ایک طالب علم اس عظیم منصب پر فائز ہوا، آپ کا تذکرہ اپنے اساتذہ اوراونچی جماعتوں کے طلبہ سے سنتا، جس سے آپ کی عظمت وبزرگی کے نقوش صغرسنی ہی سے دل میں پیوست ہوگئے۔

سن ۱۳۹۸ ہجری میں یہ عاجز بسلسلہ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے منسلک ہوگیا، یہاں بھی طالب علمی کے دوران آپ کا نام سنتا رہا، آپ کے متعدد شاگردوں سے ملاقاتیں ہوئیں، اوران کے واسطہ سے آپ کی بخاری کی تقریرات دیکھنے کا بھی موقع ملا، چونکہ مدارس میں آپ کے درس بخاری کا شہرہ تھا اس لئے ان تقریروں کو بغور دیکھا، مگران میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی، وہ تقریریں عام مدرسین کی تقریروں سے مختلف نہیں تھیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ طلبہ کی بڑی تعداد کو بحث وتحقیق سے دلچسپی نہیں ہوتی، انہیں صرف وہ توضیحات اہم معلوم ہوتی ہیں جن سے امتحان میں مدد ملے، اس لئے شیخ یونس جیسے محقق کے افادات وامالی سے بھی انہیں اپنے مطلوب کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔

ندوہ کے قیام کے دوران مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ کی مجالس میں بھی آپ کا ذکر خیر سنا، حضرت مولانا نے ایک بارفرمایا کہ آپ کے پاس کوئی علمی استفسار لکھ کر بھیجا جس کا تشفی بخش جواب آیا، اس سے عقیدت میں اضافہ ہوا، یہیں ایک بار آپ کی زیارت بھی نصیب ہوئی، آپ نے اپنے وطن جونپور سے واپسی پر یا وطن

[1] مولانا عبدالعلی مانوی جونپوری مظاہری سے میں نے فارسی کی پہلی، آمدنامہ، گلزار دبستاں، کریمہ، گلستاں، بوستاں اور یوسف زلیخا وغیرہ پڑھی، آپ فارسی ادبیات کے ماہر ہیں، علامہ شبلی کے شعرالعجم کے مقام ورتبہ کے معترف، فارسی شاعری کے ناقد ومبصر اور ایک باذوق مدرس وکامیاب منتظم۔

جاتے ہوئے ایک دوروز کے لئے یہاں قیام کیا تھا، آپ کی آمد کی خبر پھیل گئی، اور طلبہ آپ کی زیارت کے شوق میں مسجد اور مہمان خانہ کے آس پاس جمع ہوگئے، دوسرے طلبہ کے ساتھ مجھے بھی مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا، لباس کی سادگی اور زاہدانہ انداز دیکھ کر طبیعت پر اثر ہوا، آپ کے دروس میں حاضری کا موقع بہت بعد میں ملا، اور ہر درس میں شرکت سے آپ کی عظمت کے نئے گوشے سامنے آئے، اور آپ کی عقیدت ومحبت اور آپ سے موانست وقربت میں اضافہ ہوتا گیا۔

اعترافات کا سلسلہ: حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ کے انتقال پر ایک سال سے زائد کا زمانہ گزر چکا ہے، اور آپ کے علمی مقام کے اعتراف کا سلسلہ جاری ہے، اس عرصہ میں مجلّات ورسائل نے آپ پر خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا، اور آپ کی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں پر متعدد تصانیف منظر عام پر آئیں، راقم السطور نے عربی زبان میں آپ کی سوانح، اسانید، افادات اور علم حدیث میں آپ کے رتبہ سامی کے تعارف پر ایک کتاب ”الفرائد فی عوالی الأسانید وغوالی الفوائد“ کے نام سے لکھی ہے، جو آپ کی حیات ہی میں دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت سے سنہ ۱۴۳۶ ہجری مطابق ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی، آپ نے طباعت سے پہلے اسے دیکھا، طباعت کے بعد اسے اپنی مجلسوں میں سنا، بعض عربوں نے پوری کتاب آپ کے سامنے پڑھی، آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور اہل علم کو اس کے نسخے ہدیہ کئے، اس طرح اس کتاب کو درجہ استناد حاصل ہوگیا، میرے دوستوں کو اس توثیق سے بڑی خوشی ہوئی، نیز اردو میں بھی راقم نے آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھے، جن کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی، وللہ الحمد۔

آپ کے انتقال کے بعد کویت کے ہمارے دوست مشہور محقق ومصنف علامہ شیخ محمد بن ناصر العجمی نے (قلائد المقالات والذکریات فی شیخ الحدیث العلامہ محمد یونس الجونفوری)

کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں عرب وعجم کے مختلف اہل علم کے مضامین و تاثرات شامل ہیں، کتاب پر راقم کا مقدمہ بھی ہے، یہ کتاب دارالمقتبس، بیروت سے سنہ ۱۴۳۹ ہجری مطابق سنہ ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی، اس کتاب کے مشتملات بھی راقم کی مذکورہ بالا کتاب ''الفرائد'' کے مضامین کے مؤید ہیں۔

وجہ تالیف: شاید ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ آپ کی زندگی اور کارناموں پر عربی اور اردو میں اتنی کتابوں اور تحریروں کی موجودگی میں ایک نئی تصنیف کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کتاب نہ آپ کی سوانح ہے اور نہ ہی آپ کی منقبت خوانی، یہ حدیث، فقہ، کلام اور تصوف میں آپ کے افکار وخیالات کے تعارف کی ایک علمی کوشش ہے، اور اس سے درج ذیل تین اغراض کی تکمیل مقصود ہے:

پہلی غرض یہ کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کے متعلق غلط فہمیوں اور دروغ بازیوں کا بازار گرم تھا، آپ کے انتقال کے بعد ان افواہوں اور بے سروپا باتوں میں اضافہ ہوا، اس لئے یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کہ آپ کی تحریروں، درسی تقریروں، اور مجلسوں کی مستند معلومات کی روشنی میں آپ کی فکر کی وضاحت کی جائے، اس کے متعلق افراط وتفریط اور غلو وتعصب کے اوہام وخرافات کی اصلاح کی جائے، اور امانت داری کے ساتھ علمی دنیا کو آپ کے حقیقی مقام سے روشناس کیا جائے۔

دوسری غرض یہ ہے کہ برصغیر بلکہ عالم اسلام میں تنگ نظری کی جو فضاء قائم ہے اس کی موجودگی میں علماء کے درمیان کسی اتفاق واتحاد کا امکان دور دور تک محال نظر آتا ہے، آپ کی وسعت قلب کی مثال سے شاید اہل علم کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو کہ حق کو اپنے حلقہ اور مسلک میں محصور نہ سمجھیں، دوسروں کے فضل وکمال کے اعتراف کا حوصلہ پیدا کریں، اور تنگ نظری وتعصب سے دور ہوں، یہ کشادہ دلی ہمارے اسلاف کا امتیاز تھی، اس کے فقدان اور اس کی کمی نے وحدت اسلامی کو سخت نقصان پہنچایا ہے، شیخ یونس ان

نابغہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جو مسلکی انتہا پسندی اور فکری تعصب سے پاک ہوتی ہیں، اسی لئے آپ کے دروس میں ہر حلقہ، فکر اور مسلک کے منتسبین شانہ بشانہ بیٹھتے، اور ہر مجلس انہیں ایک دوسرے سے قریب کرتی، اور ان کے شیخ کی محبت میں اضافہ کرتی۔

تیسری غرض جو سب سے اہم بلکہ پہلی دونوں اغراض کی تحصیل میں معاون ہے، یہ ہے کہ عام مدرسوں اور تعلیمی اداروں میں تحقیق عنقاء ہے، ایک مدت سے علوم کی محققانہ تعلیم وتشریح کا دروازہ تقریبا بند ہو گیا ہے، تقلید و جمود نے اسلامی علوم وفنون کی تازگی اور ترقی پر قدغن لگا دی ہے، اس طویل عرصہ میں ایک ایسا صاحب نظر پیدا ہوا جس نے تقلید وجمود کی ساری بندشوں کو توڑا، اور علوم کی محققانہ تعلیم کا راستہ ہموار کیا، حدیث شریف اور خاص طور سے بخاری شریف کی اس طرح پچاس سال تدریس کی خدمت انجام دی جس نے پچھلوں کے کارناموں کو ماند کر دیا، کسی بھی روایت میں صحیح معیار تحقیق کے وجود وبقا کے لئے ضروری ہے کہ بحث وتحقیق کا ایسا نمونہ ہو جو علماء وطلبہ کے لئے خضر راہ بن سکے، اس تصنیف کے پیچھے یہ خواہش چھپی ہوئی ہے کہ شاید اس کے ذریعہ آپ کے طرز بحث وتحقیق کا تعارف ہو، آپ کے نمونہ سے کچھ نفوس عالیہ میں حوصلہ پیدا ہو، اور عالم اسلام میں محققانہ تدریس وتالیف کا رواج عام ہو۔

شاگردوں کی کوتاهی: آپ جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے، آپ کی مندرجہ بالا خوبیوں میں سے ہر ایک اس کی مستحق ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے، اس کو اجاگر کیا جائے، اور اس کے اتباع کی دعوت دی جائے، ہمیں توقع تھی کہ آپ کے شاگرد اور آپ کے خصوصی مستفیدین ان میں سے ہر پہلو پر کام کرتے، اور دلائل سے آپ کے طریقۂ کار کی پاکیزگی وبلندی ثابت کرتے؛ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کے اندر اس جرأت ودلیری کا فقدان ہے جس سے ان کا استاد متصف تھا، آپ کے یہ بھولے بھالے بہی خواہ آپ کو جمود کی پستی اور تقلید کی حضیض میں دکھانا چاہتے ہیں:

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا

موزوں نہیں مکتب کیلئے ایسے مقالات

بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے

پوشیدہ رہیں باز کے احوال ومقامات

کوئی ان سادہ لوحوں سے پوچھے کہ اگر حضرت شیخ عام علماء ومشائخ کی طرح مقلد تھے، اور تقلید کی پستی پر قانع تھے تو آپ کو غیر مقلد کیوں کہا گیا؟ آپ پر سلفی ہونے کے الزامات کیوں لگائے گئے؟ اور ہم مسلک وہم عقیدہ علماء کی ایک جماعت آپ کی مخالف کیوں رہی؟ دل پر پتھر رکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی ناقدری میں آپ کے مداح اور ناقد دونوں برابر کے شریک ہیں: ؎

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

تحسین ہے تو ناشناسانہ اور طعن ہے تو معاندانہ، ناقدین آپ کے محققانہ کمالات کے مخالف وحاسد، اور مداحین ان صفات عالیہ سے شرمندہ وسرنگوں، مگر آفریں آپ کی قوت ارادی پر کہ نہ مخالفین کی نفرتیں آپ کو جادۂ دانشمندی وعرفان سے روک سکیں، اور نہ ہی پست حوصلہ ودوں ہمت معتقدین کی بزدلی آپ کو کمزور کرسکی، آپ عزم وثبات کا کوہ گراں تھے، اور آپ کو اپنے علم پر اعتماد تھا، جاہلوں کے ہنگاموں سے متاثر ہوکر کتنوں نے اپنے راستے بدل دیئے، لیکن آپ نے اپنے اختیار کئے ہوئے راستہ سے منہ نہ موڑا، اور برملا مشرق ومغرب میں اور عرب وعجم کے درمیان صدائے حق وصداقت بلند کرتے رہے:

از ردو ہم قبول تو فارغ نشستہ ایم

اے آں کہ خوب ماشناسی ززشت ما

معتقدین کی ناقدر شناسی: آپ کو اس کا بخوبی علم تھا کہ آپ کے آس

پاس جو لوگ نظر آرہے ہیں انہیں آپ کے علم و تحقیق کی قدر نہیں ہے، نہ انہیں آپ سے مناسبت ہے، اور نہ وہ آپ کی تحقیقات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، وہ ایک مقدس شخصیت کی حیثیت سے آپ کا احترام کرتے ہیں، اور آپ کو ''تبرک'' کی چیز سمجھتے ہیں، اور بس، آپ کی معذوری اور بیماری کی پرواہ کئے بغیر ہر ایک کو صرف اس کی خواہش ہوتی کہ کس طرح حضرت اس کے مکان پر تشریف لائیں اور کچھ تناول کرلیں، اور اس طرح آپکے قدم میمنت لزوم سے برکتیں گھروں میں داخل ہوں اور مصیبتیں اور پریشانیاں دور ہوں، بزرگوں کے یہ محبین وشیدائی نہ آپ کے علم سے استفادہ کرتے، نہ حدیث اور صحیح بخاری کے متعلق کوئی سوال کرتے، اور نہ آپ کی تحقیقات میں کوئی دلچسپی لیتے، ہائے افسوس کہ ان میں سے اکثریت مدرسوں کے فارغین کی تھی، ظاہر ہے کہ جب ان اصحاب جبۂ ودستار نے آپ سے استفادہ ہی نہیں کیا اور نہ آپ کو لائق استفادہ جانا تو یہ اسی پر مصر رہیں گے کہ آپ کے علوم ومعارف پردۂ راز میں رہیں، اور دنیا کے سامنے آپ کو ایک ''پیر'' اور ''شیخ طریقت'' کی حیثیت سے پیش کیا جائے، آپ کی کرامتیں بیان کی جائیں، اور آپ کی ولایت وبزرگی کے قصے سنائے جائیں، بہرحال اپنوں کی ناقدریوں کا رونا کہاں تک رویا جائے: (۱)

کوتہ نہ تواں کرد کہ ایں قصہ درازست

ایک مظلوم محقق:

وإن قلت ما أذنبت؟ قالت مجيبة

وجودك ذنب لايقاس به ذنب

آپ معتقدین اور مخالفین دونوں گروہوں کے ظلم کا نشانہ بنے، آپ اپنے عہد وماحول سے بڑے تھے، آپ آفرینندۂ عہد وفرماں روائے زماں تھے، اور آپ کی کشمکش ان لوگوں

(۱) ان سطور سے نہ کسی کی تنقید مقصود ہے، اور نہ کسی پر طعن وتشنیع، یہ صرف ایک عظیم انسان کی حق تلفی وناقدری پر اظہار کرب ہے۔

سے تھی جوزائیدہ عہد ومحکوم زماں تھے، آپ علوم دینیہ کا اعتبار وافتخار تھے، اور حدیث اور علوم حدیث کا اعزاز ووقار، آپ کی عظمت کے سامنے روایت پسندوں اوراکابر پرستوں کو اپنی کھوکھلی عمارتیں گرتی ہوئی نظرآئیں، اور ہرطرف حاسدین ومعاندین آپ کے خلاف محاذ آرا ہوگئے، حیرت ہے کہ یہ سب کچھ وہ گروہ مقدس کررہا تھا جو صبح وشام ’’قال اللہ‘‘ اور ’’قال الرسول‘‘ کے نعرے بلند کرتا ہے:

میرا اس شہر عداوت میں بسیرا ہے جہاں
لوگ سجدوں میں بھی لوگوں کا برا سوچتے ہیں

آپ کو ایک مظلوم محدث، مظلوم محقق اور مظلوم عالم کہنا زیادہ مناسب ہے، اور تاریخ میں اس طرح کے ستم زدوں کی کمی نہیں، امام سید احمد شہید اور حجۃ الاسلام مولانا محمد اسماعیل شہید ان مظلوموں میں سرفہرست ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر ثابت رہے، اور مظلومیت آپ کے ایمان واذعان کو متاثر نہ کرسکی، اور نہ مخالفتیں آپ کے پائے استحکام کو متزلزل کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔

بعض قدر داں: عرب علماء وطلبہ کو تاخیر سے آپ سے واقفیت کا موقعہ ملا، لیکن اس کے باوجود آپ کے کمال شناسی اور مناقب بیانی میں پیش پیش ہیں، آپ کے ہندوستانی شاگردوں میں صرف چند کا استثناء کیا جاسکتا ہے جن میں نمایاں نام ہے استاد محترم ومشفق معظم مولانا محمد ایوب سورتی صاحب کی ذات گرامی کا، جنہوں نے آپ کی تحریروں اور آپ کے خیالات نشر واشاعت کی ذمہ داری اس طرح سنبھالی کہ حضرت شیخ کے تمام محبین ومستفیضین آپ کے ممنون ہیں، اللہ تعالی ان کوششوں پر مولانا کو جزائے خیر دے، اسی طرح دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ وطلبہ کی ایک جماعت (برادر مکرم مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی، مولانا سید محمود حسن ندوی، مولانا محمد فیصل بھٹکلی ندوی وغیرہ) نے بغیر کسی تعصب وتنگ نظری کے آپ سے استفادہ کیا، اور دنیا کو آپ کے علمی

کارناموں سے روشناس کرانے کے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔

آپ سے مناسبت: پہلی ہی ملاقات سے یہ محسوس ہوتا رہا ہے کہ مجھے آپ سے ایک خاص فکری ہم آہنگی ونظریاتی توافق ہے، اس لئے جب بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا، یا آپ کے درس میں شرکت کرتا، آپ کی باتوں کو غور سے سنتا، آپ سے سوالات کرتا، اور آپ کے ملفوظات وافادات قلمبند کرتا، آپ میری ہمت افزائی فرماتے اور تاکید کرتے کہ جب انہیں شائع کرو تو حوالوں کی اچھی طرح تحقیق کرلو، کیونکہ حافظہ غلطی کرسکتا ہے اور نسیان خاصہ بشریت ہے، آپ نے کئی بار اس مناسبت کی طرف اشارہ بھی کیا، کبھی کبھی بعض باتیں مجھے تنہائی میں بتاتے، وقت کے ساتھ اس مناسبت و یگانگت میں اضافہ ہوتا رہا، اور آپ کا رنگ مجھ پر غالب ہونے لگا:

کیا حسن اتفاق ہے ان کی گلی میں ہم
اِک کام سے گئے تھے ہر کام سے گئے

تشکر: اللہ تعالی کا شکر وحمد ہے کہ اس نے میرے لئے آپ سے استفادہ کی راہ ہموار کی اور اس میں بڑا دخل مشفق معظم مفتی شبیر احمد صاحب کی کوششوں کا ہے، اللہ تعالی مفتی صاحب کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

برادر عزیز مولانا اویس نمازی نے بعض حوالوں کی تلاش وتحقیق میں مدد کی، محترم مولانا محمد مسعود عزیزی صاحب اور عزیز گرامی میر فہیم صاحب نے طباعت میں تعاون کیا، میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس حقیر سعی کو قبولیت سے نوازے، اسے طلبہ اور علماء کی ذہن سازی اور ان کے فکری ارتقاء میں معاون بنائے، وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔

۲۲ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ

محمد اکرم ندوی
آکسفورڈ، برطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل اول

مختصر سوانح

قیس سا پھر نہ اٹھا کوئی بنی عامر میں ❖ فخر ہوتا ہے قبیلہ کا سدا ایک ہی شخص

نام ونسب

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونفوری ثم سہارنفوری کے والد کا نام محمد شبیر اور دادا کا نام شیر علی ہے، شیخ برادری سے آپ کا تعلق ہے، یہی راقم السطور کی بھی برادری ہے، اس برادری کے ناموران میں علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی سے علمی دنیا بخوبی واقف ہے، اور ان کے عظیم احسانات سے گرانبار، اس علاقہ میں زیادہ تر کاشتکاری کی زمینیں شیوخ کے ہاتھوں میں ہیں، میں نے آپ کے والد ماجد کی زیارت کی ہے، کھیتی کرتے تھے اور بھینسوں کی دیکھ بھال کرتے، شروع میں سنگاپور میں ملازمت کی تھی، لیکن بعد میں گاؤں ہی میں مقیم ہوگئے تھے، میرے گاؤں کے ایک سن رسیدہ بزرگ کی ان سے دوستی تھی، وہ مجھ سے اکثر شیخ یونس کے زمانہ طالب علمی اور ان کے والد صاحب کی باتیں بتاتے، کئی باتیں مجھے اب تک یاد ہیں، ایک یہ کہ وہ اپنے دوست کو یاد دلاتے رہتے تھے کہ یونس کے لئے گھی وغیرہ ضرور بھیجا کرو۔

آپ کی والدہ کا نام عمدۃ النساء بنت شعیب علی ہے، ایک صالحہ خاتون تھیں، پچیس سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اور ان کے انتقال کے بعد آپ کی نانی صاحبہ مسماۃ ملاحت نے

آپ کی تربیت کی۔

پیدائش اور نشونما

آپ کی پیدائش صبح ۷/بجے بروز شنبہ ۲۵/رجب سنہ ۱۳۵۵ ہجری مطابق ۲/۱اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء جونپور کے ایک گاؤں چوکیہ گورینی میں ہوئی، یہ گاؤں میرے گاؤں جمد ہاں سے قریب ہے، مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ ''ریاض العلوم'' اسی گاؤں میں واقع ہے، جسے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سنہ ۱۳۹۳ ہجری میں قائم کیا تھا، اور جس سے ہر سال سینکڑوں طلبہ فیضیاب ہوتے ہیں۔

جونپور کا خطہ علم وفضل کے لئے ہمیشہ مشہور رہا ہے، شاہجہاں نے ایک بار فرمایا تھا: ''جونپور شیراز ما است'' اور شاہجہاں ہی نے جونپور کو ''دارالعلم'' کا خطاب دیا، بقول مولانا صفی لکھنوی:

جونپور ارباب علم وفضل کے دارالسرور
کہتے تھے شیراز ہندا کثر تجھے اہل شعور

جونپور کی تہذیب وثقافت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حیات شبلی کے مقدمہ میں بڑی تحقیق کے ساتھ جونپور کی علمی تاریخ پیش کی ہے، ان تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں، درج ذیل اشعار جونپور کے تابناک ماضی کے آئینہ دار ہیں:

جنت عدن جونپور بود — کاندر آنجا مقام حور بود
مسکن علم وفضل ودانش ورائے — نبود آں چناں بملک خدائے
فخر ہر کس درو بعلم وہنر — بی ہنر اندرو نیابد فر
گلشن جونپور خرم باد — واندرو ہر کہ ہست بیغم باد
دست او سر بسر گلستاں باد — جائے مستان مے پرستاں باد

ابتدائی تعلیم

گل بداماں ہے مری شب کے لہو سے میری شمع
ہے ترے امروز سے ناآشنا فرداترا

جب آپ پانچ سال کے تھے تو والدہ کا انتقال ہوگیا، نانی صاحبہ نے پرورش کی، گھر پر اورگاؤں کے بعض مکاتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، نانی صاحبہ آپ کی تعلیم کے متعلق بہت سنجیدہ تھیں، حضرت شیخ نے ایک بار خود فرمایا: ’’میری نانی مرحومہ پڑھائی کے معاملہ میں بڑی سخت تھیں، ذرا بھی رعایت نہیں کرتی تھیں، بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں، اور اصلاح وتربیت تو ایسے ہی ہوتی ہے‘‘۔(۱)

مدرسہ ضیاء العلوم

دفن تیری جھاڑیوں میں میرے دل کا راز ہے
تیری ہر موج ہوا میں میری ہی آواز ہے

تیرہ سال کی عمر میں ضیاء العلوم مانی کلاں میں آپ کا داخلہ ہوا، ابتدائی فارسی سے لیکر سکندر نامہ تک، پھر ابتدائی عربی سے لیکر مختصر المعانی، مقامات الحریری، شرح وقایہ اور نور الانوار تک یہیں پڑھا، اکثر کتابیں مولانا ضیاء الحق صاحب فیض آبادی (ت ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء) سے، اور شرح ملا جامی مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری (ت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء) رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھیں، آپ کو مولانا ضیاء صاحب سے خاص عقیدت تھی، مولانا ضیاء صاحب آپ پر بہت شفیق تھے، اور آپ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے، اسی وجہ سے آپ تقریبا ہر مجلس میں مولانا ضیاء صاحب کا تذکرہ فرماتے۔

---

(۱) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۵۳۔

کثرت امراض کی وجہ سے درمیان میں تعلیمی انقطاع بھی ہوتا رہا، میرے گاؤں جمد ہاں کے حکیم امان اللہ صاحب سے علاج کرواتے تھے، اس لئے بار بار جمد ہاں آنا جانا ہوتا تھا، آپ نے متعدد موقعوں پر اس کا تذکرہ مجھ سے کیا، ایک دفعہ مجھے کچھ پیسے بھی دیئے کہ آپ کی طرف سے ان حکیم صاحب کو ہدیہ کردوں، یہ آپ کی شرافت کی دلیل ہے کہ بچپن کے تعلقات کو آخر تک فراموش نہیں کیا۔

مظاہرالعلوم

تیرا ہر گوشہ کہ منزل گاہ الہامات ہے
مکتب عرفاں ہے یا گہوارہ جذبات ہے

شوال سنہ ۱۳۷۷ھ میں آپ نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا، پہلے سال جلالین، ہدایہ اوّلین اور میبذی وغیرہ پڑھی، دوسرے سال تفسیر بیضاوی، سلم العلوم، ہدایہ ثالث اور مشکوۃ شریف وغیرہ پڑھی اور تیسرے سال یعنی شوال سنہ ۱۳۷۹ھ سے شعبان سنہ ۱۳۸۰ھ تک دور حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد ہدایہ رابع، صدرا، شمس بازغہ، اقلیدس، خلاصۃ الحساب اور درمختار پڑھی:

پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق

مطالعہ میں انہماک

زمانہ طالب علمی سے اور خاص طور سے مظاہر العلوم منتقل ہوجانے کے بعد، پڑھنے سے آپ کو خاص شغف تھا، کھیل کود وغیرہ میں اپنا وقت بالکل نہ لگاتے، مطالعہ وکتب بینی کا عشق، علم میں اضافہ کی تڑپ اور ''ہل من مزید'' صدائے مسلسل، بحث وتحقیق کی جدوجہد

اور تعلیم وافادہ کی رہنوردی کا شوق آپ کی زندگی کے روشن ابواب وعناوین ہیں، علم کی لگن کے یہ جذبات آپ کے اندر کبھی سرد نہیں ہوئے۔

آپ نے مظاہر العلوم کے ایک گوشہ میں چند شیوخ کی خدمت میں تحصیل علمی کے مراحل کی تکمیل، لیکن حقیقتاً آپ نے کثرت خواندگی وقوت فکر کی بدولت ہندوستان ومصر وشام وعراق بلکہ خراسان ومغرب واندلس کے علوم وفنون پر گہری نظر ڈالی، آپ کی نشونما عصر حاضر میں ہوئی، لیکن اسلام کی ساری صدیاں آپ کی ہم زماں تھیں: ؎

زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

تو نخل خوش ثمر کیستی کہ باغ وچمن

ہمہ ز خویش برید ند و در تو پیوستند

کتابیں کثرت سے خریدتے تھے اور کتابوں کے ہدیہ سے بہت خوش ہوتے تھے، ایک بار فرمایا: ''میں بہت کم خرچ کرتا ہوں، پیسے بچا کر رکھتا ہوں، اس لئے کہ کتابیں آج کل بہت مہنگی آتی ہیں'' (۱) ایک ہی کمرہ میں تنہا زندگی گزار دی، نہ غم دوراں اور نہ فکر ماحول ومکاں، صرف مطالعہ سے کام اور کتابوں سے رشتہ:

خوش زمزمہ گوشہ تنہائی خویشم

از جوش وخروش گل وبلبل خبرم نیست

تدریس

شوال سنہ ۱۳۸۱ھ میں مظاہر العلوم میں ہی بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا، آپ نے شروع میں شرح وقایہ، قطبی، مقامات، مختصر المعانی، ہدایہ اولین، اصول الشاشی، نور الانوار وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔

---

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۸۶۔

سنہ ۱۳۸۴ھ سے حدیث شریف پڑھانی شروع کی، اس دوران آپ نے مشکوۃ شریف، سنن نسائی، سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ، موطا بروایت یحیٰ، موطا بروایت محمد اور صحیح مسلم پڑھائی۔

شیخ الحدیث کا منصب

شوال سنہ ۱۳۸۸ھ میں اس عظیم درسگاہ کی سب سے بڑی مسند علمی یعنی شیخ الحدیث کے عہدہ پر فیضیاب ہوئے اور تقریبا پچاس سال تک بخاری شریف پڑھائی، شاید یہ شرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں کسی کو نہیں حاصل ہوا، درس کیلئے اپنے حجرہ سے نہایت وقار کے ساتھ نکلتے، اکثر لنگی میں رہتے؛ لیکن جب درس میں جاتے تو پائجامہ پہنتے، عبا اوڑھتے، ہاتھ میں عصا لیتے اور عطر لگا کر کمرہ سے تشریف لے جاتے، پھر یہ دعا کرتے: ’’اے اللہ! شرح صدر فرما، اے اللہ! ایسی بات کہنے کی توفیق عطا فرما جو طلبہ کے لئے مفید ہو‘‘۔(۱)

آپ کی تدریس بخاری نے تدریس کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا، تشریح بخاری کی دنیا ہی بدل دی، صورت وسیرت اور مغز وقالب میں اپنے پیش رووں سے مختلف اور کہیں زیادہ شاندار وجاندار، علماء وطلبہ متقدمین کے درس کا انداز بھول گئے۔

تالیف

آپ نے تصنیف وتالیف کی طرف توجہ نہیں کی، البتہ حدیث شریف کے متعلق استفسارات اور فقہی مسائل کا محققانہ جواب تحریر فرماتے جو کئی جلدوں میں ہیں، اور ’’الیواقیت الغالیہ‘‘ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، راقم نے اس کتاب کی تصنیف میں ان سے خصوصی استفادہ کیا ہے، اس طرح آپ نے بخاری شریف پر مطالعہ کے دوران بہت

(۱) ملفوظات مع مختصر سوانح صفحہ ۲۶۔

سے نوٹس لکھے، ان میں سے کچھ نوٹس ''نبراس الساری'' (عربی) اور ''الفیض الجاری'' (اردو) کے نام سے شائع ہورہے ہیں، اس کتاب میں ان سے بھی مدد ملی ہے۔

آپ کی علمی عظمت کا جو نقش دلوں پر ثبت ہے اس میں ''یواقیت'' و ''نبراس'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، ان میں اس نکتہ رسی ونکتہ سنجی کے نمونے ہیں جو آپ کے دروس کا امتیاز ہیں، یہ محدثانہ تحقیقات کے رموز کا خزینہ اور فقہ کے اسرار کا گنج بے بہا ہیں:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد ایوب سورتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''ابتدائی دور تدریس سے ہی آپ نے لکھنا شروع کیا، حضرت فرماتے تھے کہ میری فراغت پر والد صاحب نے ۲۰/روپئے بھیجے، میں نے ۱۸/روپئے کی مشکوۃ المصابیح خریدی، اس کو دیکھ کر جہاں ''رواہ فلان'' آتا تو اصل کتاب کھول کر اس سے مطابقت کرتا، اگر اختلاف الفاظ کا ہوتا تو اس کو حاشیہ پر لکھ لیتا، اگر ''رواہ'' پر بیاض ہو تو مختلف کتابوں میں اس روایت کو تلاش کرتا، اس طرح لکھنے اور تحقیق کا ذوق پیدا ہونے لگا، پھر جو کتاب پڑھاتے اس پر مختلف شروح سے حسب ضرورت حاشیہ لکھتے، تخریج کی ضرورت ہوتی تخریج کرتے، اسی طرح آپ کے ذہن میں کوئی مضمون آتا اس پر جزء کی شکل میں پورا رسالہ لکھتے، اور اس کے لئے سینکڑوں کتابوں کی مراجعت کرتے، آپ کے بہت سے اجزاء اور رسائل اسی دور کے تالیف کردہ ہیں، پھر آپ نے ''بذل المجھود'' اور ''مسلم شریف'' اور آخر میں ''بخاری شریف'' پر بیشمار حواشی، تعلیقات اور اوراق لکھے، شراح اور محدثین کی کتابوں کو دیکھتے ہوئے کوئی تسامح نظر آتا تو دوسری کتابوں سے حوالہ دیکھ کر اسے لکھتے، اس طرح آپ نے فتح الباری وغیرہ کتابوں پر بھی بہت کچھ لکھا''۔(۱)

(۱) الفیض الجاری جلد۱/صفحہ۲۰۔

تجرد کی زندگی

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

آپ نے ہنگاموں کی دنیا کے شدید اضطرابات کو خلوتوں کے سکون وامن کی مدد سے ہموار کرلیا:

نازپروردۂ تنعم نہ بردراہ دوست
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

آپ اس کے قائل تھے کہ انسان کا اصل عیش دماغ کا ہے، جسم کا نہیں، عیش ومسرت کی جن گل شگفتگیوں کو لوگ چاروں طرف ڈھونڈھتے ہیں اور نہیں پاتے، انہیں آپ نے اپنے نہاں خانہ دل کے چمن زاروں میں پالیا تھا:

ترک جان وترک مال وترک سر
درطریق عشق اول منزل است

تحصیل علم سے آپ کو اس قدر لگاؤ تھا کہ اس راستہ میں آپ کو تکان کا احساس نہ ہوتا:

رہ رواں را خستگیٔ راہ نیست
عشق ہم راہ است ہم خود منزل است

مطالعہ میں مبالغہ وافراط سے آپ کی صحت متاثر ہوئی، اور اسی وجہ سے آپ نے کبھی شادی نہیں کی، اس طرح آپ کا شمار بھی ''العلماء العزاب'' یعنی غیر شادی شدہ علماء کی فہرست میں ہے، مختلف موقعوں پر آپ نے شادی نہ کرنے کا سبب اپنی بیماری کو بتایا، لہٰذا جولوگ اس کی کوئی اور توجیہ پیش کرتے ہیں ان کی بات محل نظر ہے۔

اگرچہ آپ نے شادی نہیں کی، لیکن پھر بھی آپ نے شادی کے متعلق یہ منصفانہ بات

لکھی:"الرغبة عن النكاح إن كان جحدا فكفر، وإن كانت ترجيحا لفعله على فعل النبى صلى الله عليه وسلم من غير تاويل، فهذا أيضا كفر، فإن المؤمن لا يرجح فعله على فعل نبيه صلى الله عليه وسلم، وإن كان لسبب مرض أو شغل أو نوع من الأعذار فيعذر"۔(۱)

تصوف وطریقت

آپ کو تصوف وطریقت میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور ناظم مظاہر العلوم مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہما سے اجازت وخلافت حاصل تھی، اگر آپ اس طرف توجہ فرماتے تو وقت کے نامور مشائخ، سلوک وتربیت کے ائمہ، اور اصحاب نظر ومعرفت بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا، لیکن یہ نسبت آپ کے یہاں ہمیشہ مغلوب رہی، آپ نے عام صوفیاء کے رسوم وقیود سے اجتناب کیا، اور آپ پر علم اور سنت کی نسبت غالب رہی۔

شاگردوں کی کثرت

آپ کے شاگرد، مستجیزین اور مستفیدین عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں، مجھے آپ کے درس میں شرکت کا اتفاق دیر سے ہوا، شعبان سنہ ۱۴۲۱ھ ہجری میں ختم بخاری کے سلسلہ میں آپ دار العلوم لندن میں مدعو تھے، یہ عاجز آکسفورڈ سے چند دوستوں کے ساتھ حاضر ہوا، دار العلوم حاضرین سے بھرا ہوا تھا، آپ نے درس کی ابتدا حدیث الرحمۃ المسلسل بالأولیۃ سے کی، خوشی ہوئی کہ آپ سے اولیت حقیقیہ کا تسلسل حاصل ہوا، آپ نے اس کی مشہور سندیں بیان کیں، اس حدیث کی اہمیت پر روشنی ڈالی، اس کے بعد آپ نے

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۹۳۔

بخاری شریف کی آخری حدیث کا عالمانہ اور محققانہ درس دیا، تقریر کی سلاست وروانی اور فصاحت وبلاغت "كان حديثها سكر الشراب" کا عکس تھی۔

اس درس کے خاتمے پر طبیعت آپ کی طرف مائل ہوگئی، اور آکسفورڈ اس حال میں لوٹا کہ دل آپ کی محبت وعقیدت سے لبریز تھا، اور ایک چھپی خواہش دل میں کروٹیں لے رہی تھی کہ کاش کہ آپ سے بخاری شریف پڑھی ہوتی، اور دعا کررہا تھا کہ آپ کے کچھ دروس میں شرکت کا اور آپ سے براہ راست استفادہ کا موقع میسر آجائے، الحمدللہ دوسرے سال بھی بخاری شریف کے ختم پر لندن آپ کی تشریف آوری ہوئی، آپ کی مجلس میں شرکت، آپ کے قریب بیٹھنے اور حدیث کے متعلق کچھ سوالات کرنے کا موقع ملا، آپ نے اس سفر میں مدینہ منورہ سے میرے ترجمہ وتحقیق سے شائع شدہ بستان المحدثین کا نسخہ خریدا تھا، جسے مجھے دکھایا، اور مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو کوئی بوڑھا سمجھ رہا تھا اور تم جوان نکلے، آپ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں آپ کا ہم وطن ہوں، اور آپ کے مدرسہ ضیاء العلوم میں آپ کے رفیق درس مولانا عبدالعلی صاحب سے تعلیم حاصل کی ہے، آپ جیسے صاحب علم وفضل اور بلند پایہ محدث کے ساتھ قرب کے یہ لمحات اس عاجز کے لئے سرمایہ عزت وافتخار تھے، میری طرف آپ کی خصوصی توجہ کی ایک وجہ یہ تھی کہ میری اہلیہ آپ کے محبوب استاذ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمہ اللہ علیہ کی رشتہ دار ہیں، میری اہلیہ اور بچیوں نے آپ کی متعدد بار زیارت کی، اور آپ سے حدیث کی اجازت حاصل۔

میں نے آپ کے سامنے شاہ عبدالغنی مجددی رحمہ اللہ علیہ کی مشہور ثبت "اليانع الجني" کے شروع کے صفحات پڑھے، آپ سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی کے کچھ ابواب، اور بعض اجزائے حدیثیہ کے سماع کی سعادت نصیب ہوئی، آپ سے بار بار حدیث کی اجازت عامہ حاصل کی، انگلینڈ، حرمین شریفین اور ہندوستان میں کثرت سے آپ کے

دروس ومجالس میں شرکت کی اور یوں آپ سے قربت میں اضافہ ہوتا گیا، اور آپ نے مجھے اور میری اولاد اور میرے شاگردوں کو بار بار زبانی اور لکھ کر اجازت عامہ دی۔(۱)

وفات

آپ کا انتقال منگل کے دن ۱۷؍شوال سنہ ۱۴۳۸ ہجری مطابق ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء ساڑھے نو بجے صبح کو ہوا، میں اس وقت آپ کی زیارت کے لئے مظاہر العلوم گیا ہوا تھا، اور اس موقع پر اپنے تاثرات میں نے لکھے ہیں، یہ تحریر میرے سفرنامہ ہند میں اور دوسری جگہوں پر بھی شائع ہو چکی ہے، گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب!

جس کا دھڑکا تھا بالآخر وہ گھڑی بھی آ گئی
وہ خبر آئی کہ بزم زندگی تھرا گئی

روشنی جس کی حریم روح کو چمکا گئی
ظلمت مرگ اس ستارے کو بھی آخر کھا گئی

جس سے روشن اپنے سینے تھے منور تھے دماغ
بجھ گیا وہ علم کا حکمت کا دانش کا چراغ

---

(۱) آپ نے ایک بار آکسفورڈ میں میرے گھر پر بھی عزت بخشی، اس موقع پر تقریباً پچاس علماء اور طلباء موجود تھے، میں نے گاڑی میں آپ کو آکسفورڈ کے کالجز دکھائے، اس کے بعد کچھ دیر آپ نے غریب خانہ پر آرام کیا، حاضرین نے آپ سے حدیث کا سماع کیا، اور آپ کی مجلس سے استفادہ کیا، آپ نے مجھ سے بے تکلّفانہ باتیں کیں، بلند لفظوں میں میرا ذکر کیا، اللہ تعالی ان کلمات کو میرے لئے بشارت وبرکت کا ذریعہ بنائے، اور جملہ شرور وفتن سے میری حفاظت فرمائے، میرے سامنے بھی میری تعریف کرتے تھے اور غائبانہ بھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ تم پر شاہ وصی اللہ فتح پوری کی برکتوں کا اثر ہے، شاہ صاحب کا میرے گاؤں سے بڑا تعلق تھا، گاؤں کے کئی بزرگ آپ سے بیعت تھے، اور والد صاحب نے بھی الہ آباد آپ کے یہاں حاضری دی تھی، ایک مرتبہ مولانا فیصل ندوی سے فرمایا: ''تم مولوی علی احمد اور مولوی اکرم مولانا علی میاں کی تواضع اور دعا کا نتیجہ ہو، یہ مولانا علی میاں کی قربانیاں ہیں کہ تم لوگوں کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہیں، پھر کچھ دیر کے بعد یہ بات دہرائی۔ (مجالس محدث عصر صفحہ ۱۰۸)

ہمت عالی

شیوۂ رندان بے پرواخرام ازمن مپرس
ایں قدر دانم کہ دشوارست آساں زیستن

آپ کو ہمت عالی کا حصہ وافر عطا ہوا تھا،علم ہی آپ کا سب سے بڑا مشغلہ تھا،مولانا ایوب سورتی صاحب فرماتے ہیں:’’رات دن آپ کا یہی شغل تھا کہ پڑھتے اور لکھتے،نہ شادی کی،نہ خانہ داری کے جھمیلوں میں پڑے،نہ کہیں جانا نہ آنا،نہ کسی جلسے اور اجتماع میں شرکت،ایک طویل زمانہ تک آپ نے مدرسہ کے حجرے میں گوشہ نشینی کر کے وہ کام کیا کہ اب ان کاموں کی تکمیل کے لئے ایک اکیڈمی کی ضرورت ہے‘‘۔(۱)

ہمت کے اعتبار سے تھا ہمسر فلک
یوں دیکھنے میں گرچہ قد اس کا میانہ تھا

آپ کی زندگی ایک ایسے عالم کی زندگی سے عبارت تھی جو عام اہل علم وفکر کی سطح سے بہت بلند تھا،جس نے دنیائے دوں کو کبھی اپنا مطمح نظر نہیں بنایا،جس نے علم کی راہ میں سب کچھ قربان کردیا تھا،نہ مال ومتاع کا سودا،نہ دنیا کی حرص،نہ منصب وجاہ کی پرواہ،جسے گرچہ تصوف وطریقت میں اجازت وخلافت حاصل تھی،لیکن مشیخت کو اس نے کبھی علم کے راہ کی رکاوٹ بننے نہیں دیا،جس کے نزدیک علم کسی چیز کے حصول کا ذریعہ نہیں تھا،بلکہ علم ہی اس کا مقصود تھا،اس کی متاع عزیز اور اس کے سفر صبر آزما کی منزل۔(۲)

پرسوز ونظر باز ونکوبین وکم آزار
آزاد وگرفتار وتہی کیسہ وخورسند

---

(۱)الفیض الجاری جلد۱رصفحہ۲۰۔
(۲)سوانح کا اکثر حصہ ماخوذ ہے،خود حضرت شیخ کی اپنی تحریر سے جو’’الیواقیت الغالیہ‘‘ پہلی جلد کے شروع میں موجود ہے،نیز دیکھئے راقم کی عربی کتاب’’الفرائد‘‘۔

فصل دوم

ایک منارۂ بحث وتحقیق

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

وسعت نظر اور عمق فکر کی مرکب تھی آپ کی علمی زندگی، ان دو اجزاء کی لطیف آمیزش سے آپ کا معتدل مزاج نشو نما پایا، جس نے تعصب وتنگ نظری کی دیواروں کو گرا کر آپ کی عظمت کی بناء تعمیر کی، ایک طرف کبار محدثین کی اسناد فہم وعلل دانی سے ہم عنانی کا ذوق وشوق، اور دوسری طرف محققین ومجتہدین سے سیراب ہونے کی تشنگی۔

تحقیق کوئی دلچسپ کھلونا یا ایک حسین زیور نہیں، تحقیق انسانی کامرانی کی معراج اور انسانی تہذیب وتمدن کا سرتاج ہے، تحقیق ایک نفیس وبے بہا چیز ہے، کیونکہ تحقیق اس دماغی جد وجہد کا نام ہے جو انسان کو حقیقت سے روشناس کرے، جو جہالت وناواقفیت کے سارے پردے اٹھادے، جو اس وقت تک چین نہ لینے دے جب تک کہ سچائی اور صداقت تک رسائی نہ ہوجائے۔

نظر تحقیق

جب جب میں آپ کے دروس میں حاضر ہوا، آپ کی مجلسوں میں شرکت اور جس قدر آپ کی تحریروں سے استفادہ کیا یہ بات واضح ہوتی گئی کہ آپ ایک قلب سلیم، فکر مستقیم، ذہن ثاقب، نظر فلسفیانہ، اور جمود ورکود کی بندشوں سے آزاد عقل روشن، دماغِ تازہ اور خرد

ِ زیرک کے مال تھے، آپ کا محققانہ ذہن ہر موقع پر مناسب سوال پیدا کرتا، ممکنہ مراجع میں آپ اس کا جواب تلاش کرتے، بسا اوقات عام مراجع سے آپ کی تشفی نہ ہوتی، اور آپ تلاش وجستجو میں لگے رہتے، یہاں تک کہ اللہ تعالی کی مدد سے صحیح جواب کی طرف آپ کی رہنمائی ہوتی اور کبھی کبھی ایک اشکال کو حل کرنے میں کئی سال لگ جاتے، مجھے یاد ہے کہ ایک درس میں آپ نے ایک اشکال پیش کیا، اور عام شراح حدیث نے جو جوابات دیئے ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے وضاحت کی کہ یہ جوابات اطمینان بخش نہیں، پھر آپ نے بتایا کہ گزشتہ سال اس کا ایک جواب آپ کے ذہن میں آیا، اور اس جواب کا حاضرین کے سامنے آپ نے ذکر کیا، صرف یہی ایک مثال نہیں، بلکہ اس طرح کی مثالیں آپ کے یہاں کثرت سے دیکھنے میں آئیں۔

آپ حوصلہ مند تھے اور بلند عزم وہمت کے مالک، اور آپ کو غیر معمولی تعمق کی عادی فلسفیانہ جستجو کا تحفہ عطا ہوا تھا، صرف معلومات جمع کرنے اور نقول کا ڈھیر لگانے پر اکتفا نہ کرتے، بلکہ ہر مسئلہ کے اسباب وعلل پر غور کرتے، ان کے مقدمات وترتیبات پر نگاہ ڈالتے اور نتائج وآثار کی تہہ تک پہنچتے، اور اصول وفروع اور کلیات وجزئیات میں ربط پیدا کرتے، آپ نے اپنی عقل کو کسی نظریہ یا شخص یا ادارہ ومسلک کا غلام نہیں بنایا، اور نہ ہی اپنی فکر کو مشرق ومغرب کے کسی عالم کی فکر میں مدغم کیا، جو بھی آپ کی تحریر وتقریر سے واقف ہے اس پر مخفی نہیں رہ سکتا کہ آپ پر آپ کے شیوخ میں سے کسی کا رنگ نہیں، نہ آپ پر ہندوستانی علماء میں سے کسی کا طرز غالب، اور نہ ہم عصر محدثین وفقہاء میں سے کسی کی خصوصیات کا آپ عکس تھے، سب سے استفادہ کے باوجود سب سے مختلف، اور عقل وفہم کی یہی انفرادیت آپ کی پہچان ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اہل تحقیق واجتہاد سے محبت وعقیدت

آپ کی کامیابی کی ایک اہم کلید ائمہ محققین ومجتہدین سے آپ کی محبت وعقیدت ہے، آپ امام بخاری، امام ابن تیمیہ، حافظ ذہبی، حافظ ابن قیم، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن رجب، حافظ ابن عبدالہادی، حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کا خاص طور سے ذکر کرتے، ان کی تحقیقات کا حوالہ دیتے، ان کے تئیں اپنی محبت وعقیدت کا بلند لفظوں میں اظہار کرتے، ان محققین کا ذکر آپ کے دروس اور آپ کی مجلسوں میں کثرت سے ہوتا، بہت سے ائمہ ومحققین کے نام لوگوں نے پہلی بار آپ سے سنے، غرض اہل تحقیق واجتہاد سے آپ کی محبت وعقیدت کا اثر تھا کہ بحث وتحقیق آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی۔

امام بخاری اور صحیح بخاری سے آپ کے تعلق کی تفصیل آئندہ آئیگی اور صحیح بخاری کی نسبت سے جس شخصیت سے اپنی ممنونیت کو ہر مجلس میں ظاہر کرتے وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی ہے، ابن حجر اوران کی شرح فتح الباری کا تذکرہ بھی اپنے موقع پر ہوگا۔

مجموعی طور پر امام بخاری کے بعد مندرجہ بالا ائمہ میں سب سے زیادہ آپ کو امام ابن تیمیہ سے عقیدت تھی، ان کو اپنا شیخ کہتے، اور ملامت وطعن کی پرواہ کئے بغیر اور بلا خوف وخطر ان کی رایوں کو سراہتے، ایک بار فرمایا: ''علامہ ابن تیمیہ کا علم بہت وسیع ہے، اگرچہ ان کے تفردات ہیں، جن میں جمہور علماء سے انہوں نے اختلاف کیا ہے، لیکن ہم ان کی تنقیص نہیں کرتے، ہمیں لگتا ہے کہ ہماری روح ان کی روح سے ملی ہوئی ہے''۔(۱)

ابن تیمیہ کا جس قدر ذکر آپ کی مجلس میں سنا اس قدر نہ کسی عالم کے یہاں سننے میں آیا اور نہ کسی کتاب میں پڑھا، ہندوستان میں سب سے پہلے واضح لفظوں میں امام ابن تیمیہ کا اعتراف شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں ملتا ہے، شاہ صاحب کے بعد علامہ شبلی

---

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۲۲۸۔

نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے امام ابن تیمیہ کی ان کے مقام وشان کے مطابق قدر کی، اوران کی مجددانہ مساعی کا اعتراف کیا، بلکہ آخر الذکر نے تاریخ دعوت وعزیمت کی ایک مکمل جلد آپ کی حیات اور کارناموں کے لئے وقف کردی۔

لیکن شاید ان سب کے مقابلہ میں امام ابن تیمیہ کو سب سے زیادہ آپ نے پڑھا، ان کی کتابوں سے استفادہ کیا، ان کے افکار وخیالات کا جائزہ لیا، اور علی وجہ البصیرہ ان سے اتفاق کا اظہار کیا، اور ایک سچے محقق کی طرح متعدد مسائل میں ان سے اختلاف بھی کیا۔

برصغیر میں فکر ونظر کی صفائی، علم کی وسعت وگہرائی، دماغ کی قوت وذہانت، بلاخوف ملامت لائم حق بات کہنے اور اس پر عمل کرنے میں اگر کسی کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے مناسبت ومشابہت حاصل ہے تو وہ آپ کی ذات گرامی تھی، اور امام ابن تیمیہ سے یہ مناسبت کسی جذباتی لگاؤ کی بنا پر نہیں تھی، بلکہ یہ خود آپ کے علم کی وسعت، تعمق فہم اور تحلیل وتجزیہ پر غیر معمولی قدرت کا نتیجہ تھی، ابن تیمیہ کی تحریروں کے اس طرح حوالے دیتے گویا وہ آپ کو ازبر ہوں، کسی کھوکھلی مصلحت اور سیاسی دوراندیشی کی پرواہ کئے بغیر ابن تیمیہ سے اپنے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے، بلکہ ابن تیمیہ کو اپنا شیخ کہتے نہ تھکتے:

اس خطا پہ گریزاں ہیں ہم سفر میرے
کہ میری طبع رواں مصلحت شناس نہیں

شیخ حامد اکرم البخاری حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”كان الشيخ يكثر النقل عن شيخ الإسلام ابن تيمية، ويظهر الإعجاب به، والثناء عليه ومدحه، ويذكر سعة علمه وإمامته“۔(۱)

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۷۰۔

بنیادی مصادر کی طرف رجوع

عصر حاضر کے بعض مشاہیر کو دیکھا ہے کہ متاخرین کی تحقیقوں اور ثانوی مراجع پر اکتفا کر لیتے ہیں، اور اگر کسی نے کسی نقل میں غلطی کی تو اس غلطی کو دہراتے رہتے ہیں، اور انہیں اس غلطی کا احساس نہیں ہوتا، اس طرح کتنی غلطیاں رواج پا گئیں اور مقبول عوام وخواص ہو گئیں، اور عام علماء، مدرسین اور مفتیوں کا حال تو اور برا ہے، ان کی سستی، ذہن کی کندی، کم خوانگی اور دانش بیزاری پر رونا آتا ہے، کتنے نام نہاد مفتیان کرام ہیں جن کا سرمایہ علم وکمال اردو کی چند فقہی کتابیں اور فتاوے ہیں، انہیں پر اعتماد کرتے ہیں اور انہیں کی روشنی میں فتوے دیتے ہیں، نہ محققین کی کتابوں سے مراجعت کا شوق، اور نہ ہی کسی مسئلہ کی تحقیق کی حرص اور ان کے بوسیدہ و پامال اور بے موقع ومحل جوابوں سے مسلمانوں کی زندگیاں دشواریوں کی نذر اور مشکلات میں گرفتار۔

اس پست حوصلگی کے ماحول اور فکری سطحیت کے دائرہ میں آپ کی ذات انفرادیت کی حامل تھی، آپ ہر علم وفن میں ماہرین اور اہل اختصاص کی طرف رجوع کرتے، بنیادی اور اولین مصادر کا مطالعہ کرتے، حدیث وعلوم حدیث میں ائمہ سابقین کے دواوین آپ کے رہنما ہوتے، اور حنفی مسلک کی تحقیق کے لئے متقدمین کی کتابوں خاص طور سے سرخسی کی ''المبسوط'' کی طرف رجوع فرماتے۔

متأخرین فقہائے احناف کی کتابوں کے مطالعہ پر اکتفا نہ کرتے، نہ عام مسائل میں ان پر اعتماد کرتے، اور نہ ثانوی مراجع آپ کی پیاس بجھاتے، بلکہ اس وقت تک بحث وتحقیق جاری رکھتے جب تک کہ اصل مراجع کو تلاش نہ کرتے، ایک بار فرمایا: ''میں اصل کتاب دیکھتا تھا، مراجعت کرتا تھا''۔(۱)

---

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۱۸۱۔

مولانا ایوب سورتی صاحب آپ کے متعلق لکھتے ہیں: ''ائمہ اربعہ کی فقہ کو ان کی اصلی کتابوں سے پڑھا، اسی طرح متقدمین ائمہ اور علماء کی بہت سی کتابوں کو آپ نے برابر دیکھا، جس کی وجہ سے آپ کو ہر فن میں پورا ادراک اور عبور حاصل ہوگیا، جس کی وجہ سے آپ کے اندر ایک محققانہ شان پیدا ہوگئی، آپ فن کے ایک ناقد کی طرح پوری بصیرت کے ساتھ کلام فرماتے اور ان کے اقوال میں محاکمہ فرماتے، آپ کا ایک خاص ذوق یہ تھا کہ اگر حدیث کے کسی شارح نے کوئی قول نقل کیا ہے تو آپ اس قول کے اصل قائل کی تلاش کرتے اور اس کے لئے دسیوں کتاب کی مراجعت کرتے، حتی کہ حافظ ابن حجر نے کسی کا کوئی قول نقل کیا تو ان کی اصل کتاب میں اس کو تلاش کرتے اور وہ کتاب اگر نایاب ہے تو کہیں سے بھی کتاب تلاش کرواتے اور اس سلسلہ کے سینکڑوں واقعات ہیں۔(۱)

''الیواقیت'' میں اس منہج علم کی مثالیں کثرت سے ہیں، یہاں صرف ایک مثال پر اکتفاء کی جاتی ہے، ایک بار آپ کے پاس سوال آیا کہ کیا شب برات کا روزہ بدعت ہے؟ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''میری معلومات میں متقدمین فقہاء نے اس روزہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، امام محمد بن الحسن کی موجودہ کتابوں کتاب الاصل، جامع صغیر، کتاب الآثار، کتاب الحج، کتاب السیر الکبیر اور متون معتبرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، متأخرین نے بھی نصف شعبان کے روزہ کی تصریح نہیں کی ہے، البتہ مطلقاً صوم شعبان کو مرغوبات میں شمار کیا ہے، قال فی الفتاوی العالمگیریۃ (۱۰۳/۱): "المرغوبات من الصیام أنواع: أولها صیام المحرم، والثانی صوم رجب، والثالث صوم شعبان، وصوم عاشوراء وهو الیوم العاشر من المحرم عند عامة العلماء والصحابة، کذا فی الظهیریة،انتهی"۔

مطلقاً صوم شعبان کے استحباب کے دلائل وہ احادیث ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ

(۱) الفیض الجاری جلد ۱ر صفحہ ۱۹۔

علیہ وسلم کا کثرت سے اس ماہ میں روزہ رکھنے کا ذکر وارد ہوا ہے، اور یہ کہ آپ کل شعبان کا اور گاہے اکثر کا روزہ رکھتے تھے، کما تقدم۔(۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادۃ (ص ۳۱۰) میں مطلقاً شعبان کے روزہ کا استحباب ذکر کیا ہے، اور صوم نصف شعبان کا کوئی ذکر نہیں ہے، اشعۃ اللمعات (1/549) میں صرف ابن ماجہ کی حدیث سابق کے ترجمہ پر اکتفا کیا ہے، اس طرح ''ماثبت بالسنۃ'' (صفحہ ۱۹۹) میں بھی صرف ابن ماجہ کی روایت ذکر کی ہے، اور اس حدیث کا حال معلوم ہو چکا ہے۔(۲)

---

(۱) الیواقیت الغالیۃ ۲/۲۹۵-۲۹۶ کی طرف اشارہ ہے، جہاں فرماتے ہیں: ''پندرہویں تاریخ سے قطع نظر مطلقاً شعبان کے روزے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں: ''فاخرج الامام احمد (۶/۱۰۷، ۱۵۳، ۲۴۲) والبخاری (ص ۳۶۴) ومسلم (۱/۳۶۵) وابوداؤد (۳/۳۸۳) والنسائی (۱/۳۲۱)'' عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: مارایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم استکمل صیام شهر إلا رمضان، وما رأیته اکثر صیاما منه فی شعبان''۔
اور پھر آپ نے اس حدیث کے دوسرے طرق کی تخریج کی۔

(۲) الیواقیت الغالیۃ (۲/۲۸۴-۲۹۵) پر آپ نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں: ''حدیث مذکور کو ابن ماجہ (ص ۱۰۰) اور بیہقی نے شعب الإیمان میں تخریج کی ہے، قال ابن ماجہ: " باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان، حدثنا الحسن بن علی الخلال، حدثنا عبدالرزاق، أنبانا ابن أبی سبرة عن ابراهیم بن محمد عن معاویة بن عبداللّٰه بن جعفر عن ابیه عن علی بن أبی طالب، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "إذا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا نهارها، فإن اللّٰه ینزل فیها لغروب الشمس إلی سماء الدنیا، فیقول: "ألا من مستغفر فأغفرله، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلی فأعافیه، ألا کذا، ألا کذا، حتی یطلع الفجر"۔

اس حدیث پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اب نتیجہ کے طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ یہ روایت اگرچہ قطعی طور پر موضوع نہ کہی جاسکے لیکن بطریق ظن غالب اس کو موضوع کہا جاسکتا ہے، اور موضوع روایت سے بالاجماع کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا ہے اور اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے جیسا کہ منذری، عراقی، بوصیری کی رائے ہے، تو بھی یہ حدیث ناقابل عمل ہے، اس لئے کہ حدیث ضعیف اگرچہ باب فضائل میں جمہور علماء نے معتبر مانی ہے، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو، مثلاً اس کا راوی کذاب، یا متہم بالکذب، فاحش الغلط نہ ہو، اور یہ حدیث شدید الضعف ہے''۔ پھر اسی مضمون کی ایک اور روایت پر کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں: '' فهؤلاء ثلاثة من الأئمة اتفقوا علی کون هذا الحدیث موضوعاً، وقد تبعهم السیوطی فی اللآلی وغیره من کتبه، وابن عراق فی تننزیه الشریعة (۲/۹۴)، والزبیدی فی إتحاف السادة (۳/۴۲۶)''۔

اسی طرح حنابلہ کی موجودہ کتب مختصر الخرقی، اس کی شرح المغنی، المقنع، اس کی شرح الشافی میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شافعیہ کی کتب مشہورہ جیسے: "کتاب الام للشافعی، المهذب للشیرازی، شرح المهذب للنووی اور المنهاج، المنهج، تحفة المحتاج" میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، البتہ عبد الحمید الشروانی نے تحفۃ المحتاج کے حاشیہ میں اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مالکیہ کی کتابوں میں سے مختصر الخلیل اور اس کی شرح جواہر الاکلیل، رسالہ ابن ابی زید، اس کی شرح کفایۃ الطالب اور کفایہ کے حاشیہ مصنفہ علی صعیدی عدوی میں بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس لئے جہاں روایتی حیثیت سے خاص پندرہویں شعبان کا روزہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا وہیں فقہاء کے کلام سے بھی کوئی ثبوت نہیں نکلتا ہے، اور غالباً حضرات فقہاء نے روایت کے غیر معتبر ہونے سے سکوت فرمایا ہے۔

اور بعض متاخرین شافعیہ نے جو اس کو مندوب کہہ دیا یا یوں کہئے کہ اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کر دیا بظاہر انھوں نے سند روایت پر نظر نہیں کی ہے، یا اگر نظر کی تو تحقیق سے کام نہیں لیا۔

اگر پندرہویں دن سے قطع نظر کر لیا جائے تو پھر شعبان کے روزے کا ثبوت ان روایات صحیحہ وحسنہ سے ہوتا ہے جو ماقبل میں سوال کے جزء اوّل کے جواب کے اخیر میں گزر چکی ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان میں بلاتحدید روزہ رکھنا مندوب ہے اتباعاً للنبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم۔

صاحب ظہیریہ وغیرہ فقہاء احناف نے صیام مندوبہ میں جو شعبان کا تذکرہ کیا ہے اس سے یہ صورت مراد ہے، ورنہ اگر خاص نصف شعبان کا روزہ مراد ہوتا تو اس کی تصریح

کردیتے۔

اب بظاہر یہی صواب معلوم ہوتا ہے کہ نصف شعبان کا خاص کرنا اور صرف اس کا روزہ رکھنا بدعت ہے، الا یہ کہ ۱۳/۱۴/کا روزہ بھی رکھا جائے تا کہ ایام بیض کے روزے ہوجائیں۔

یہاں تک لکھنے کے بعد علامہ مناوی کی کتاب فیض القدیر (جلد۲/صفحہ ۳۱۷) میں ایک عبارت ملی جو ماقبل کی تحقیق کے لئے متن کا درجہ رکھتی ہے، فرماتے ہیں: قال المجد بن تیمیة: صوم شعبان جاء فی فضله أخبار صحیحة، وأما صوم یوم نصفه مفردا فلاأصل له، بل یکره، قال: وکذا اتخاذه موسماً تصنع فیه الأطعمة والحلوی، وتظهر فیه الزینة وهو من المواسم المحدثة المبتدعة التی لا أصل لها، انتهی۔

علامہ مناوی نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بھی علامہ مجد الدین ابن تیمیہ کے موافق ہیں''۔(۱)

متاخرین کے آراء کا محققانہ تجزیہ

اگر متاخرین علماء ومحققین کی کتابوں کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آتی تو ان کا بنظر غائر مطالعہ کرتے، ان کے دعاوی ودلائل اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرتے، اور اگر ان کے دلائل میں کمزوری نظر آتی تو ان کی طرف متوجہ کرتے، ہر رائے وفکر کو دلیل کی میزان پر تولتے، ایک بار فرمایا: ''عیب نکالنے کی نیت سے نہیں، اس کا کیا حق ہے مجھے؟ میں کبھی کسی پر اعتراض برائے اعتراض نہیں کرتا ہوں، کوئی بات کہتا یا لکھتا ہوں تو تحقیق مقصود ہوتی ہے''۔(۲)

متاخرین کی آراء کے ناقدانہ تجزیہ کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

---

(۱) الیواقیت الغالیۃ ۲/۳۰۶-۳۰۸۔ (۲) مجالس محدث عصر صفحہ ۱۸۰۔

مفتی زید صاحب لکھتے ہیں: ''احقر تراویح میں حضرت کو قرآن پاک سنا رہا تھا اور اوقاف کی رعایت بھی کثرت سے کرتا تھا، سلام کے بعد حضرت نے فرمایا کہ جگہ جگہ وقف کیوں کرتا ہے، میں کہہ چکا ہوں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ تو سجاوندی کی ایجاد ہے، بعد میں لوگوں نے اس کو اختیار کرلیا، قراءت کے فروعی اختلافات کا میرے نزدیک کوئی ثبوت نہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "لا أحب قراة حمزة" اگرچہ حضرت گنگوہی کے نزدیک یہ سب پایہ ثبوت کو پہنچے ہوئے ہیں، مگر میرے نزدیک ان کا کوئی ثبوت نہیں، اس کی زیادہ رعایت نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، صحابہ کرام اس کی رعایت نہیں کرتے تھے، یہ تو بعد میں علامہ سجاوندی نے لگائے ہیں''۔(۱)

ایک بار آپ نے فرمایا: ''شرح وقایہ میں ہزاروں مسامحات نکالے جاتے ہیں، لیکن ہدایہ کے اندر کچھ نہیں، میرا بس چلے تو شرح وقایہ کو نصاب سے نکال کر شرح نقایہ ملا علی قاری کی داخل کردوں، شرح نقایہ کے اندر احادیث اور ٹھوس دلائل موجود ہیں، لیکن لوگوں کا مزاج یہ ہے کہ جو چیز چلی آرہی ہے، تو چلی آرہی ہے، اسی کو گھسے چلے جائیں گے، اور اسی پر اڑے رہیں گے''۔(۲)

آپ فرماتے ہیں: ''میں علامہ انور شاہ کشمیری کا بہت معتقد ہوں، لیکن علامہ نے فرمایا کہ علامہ ابن نجیم کا درجہ ابن الہمام سے بڑھا ہوا ہے، صاحب بحر کو فقیہ النفس بھی بتلا دیا، لیکن یہ بات میرے حلق کے نیچے نہیں اتری، فقط زبان ہی میں رہتی ہے، ابن الہمام کی نظر حدیث شریف میں دوسرے فقہاء سے بہت اچھی ہے، اس لئے میری نظر میں ابن الہمام ابن نجیم سے بہت بڑھے ہوئے ہیں''۔(۳)

ایک جگہ فرمایا: ''یہ دو ہاتھ سے مصافحہ کہیں ثابت نہیں، مصافحہ بس ایک ہاتھ سے ہے، یہ صاحب جوہرہ کی غلطی ہے کہ انہوں نے لکھ دیا کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہے، ان سے

(۱) علمی وصلاحی ارشادات صفحہ ۹۶۔ (۲) حوالہ بالا صفحہ ۸۳۔ (۳) حوالہ بالا صفحہ ۷۷۔

صاحب درمختار نے نقل کیا، یہیں سے وہ حنفی مذہب بن گیا، اب اہل حدیث احناف کی کتابوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہے ہیں کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے، خود شامی میں ہم نے دیکھا ہے، انہوں نے مصافحہ ایک ہاتھ سے ہونے کی بات لکھی ہے، مگر یہ ایسی جگہ ہے جہاں لوگوں کی نظر نہیں جاتی، اگر مصافحہ دو ہاتھ سے ہوتا تو اس کی صراحت ہوتی''۔(۱)

ایک مرتبہ فرمایا: ''ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ سید سلیمان ندوی نے یہ لکھا ہے اور حضرت تھانوی نے اس کے خلاف لکھا ہے، اب میں نے دیکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ سید سلیمان ندوی کی بات ٹھیک ہے، اور حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے جو لکھا وہ صاحب روح المعانی کے اتباع میں لکھا ہے''۔(۲)

مزید فرمایا: ''سید صاحب اناپ شناپ نہیں بولتے، مطالعہ جب ہوتا ہے تب بولتے ہیں''۔(۳)

''سید صاجب بہت کثیر العلم، کثیر المطالعہ، متواضع انسان تھے''۔(۴)

''حضرت اقدس علامہ سید سلیمان ندوی وہ بھی اس طرح تھے، بغیر تحقیق کے کوئی بات نہیں کرتے، سیرت النبی کیا ہے، سارے علوم دنیا اس میں ہیں''۔(۵)

معاصر علماء کا حوالہ

آپ علم وتحقیق کے شیدا تھے ''الحكمة ضالة المؤمن أنى وجدها فهو أحق بها'' کے مقولہ زریں پر عمل کرتے ہوئے اپنے معاصر علماء کی تحقیقات سے بھی بغیر کسی تعصب کے

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۲۶۹-۲۷۰۔

(۲) حوالہ بالا صفحہ ۱۸۱۔

(۳) حوالہ بالا صفحہ ۱۸۱۔

(۴) حوالہ بالا صفحہ ۱۸۱۔

(۵) حوالہ بالا صفحہ ۳۰۱-۳۰۲۔

استفادہ کرتے، آپ کو عبدالحئ الکتانی کا حوالہ دیتے ہوئے سنا، علامہ شبلی نعمانی کی تحقیقات اور انشاء پردازی کی دل کھول کر داد دیتے ہوئے دیکھا، شبلی کے متعلق عام طور سے علماء ومشائخ کے حلقوں اور مدارس میں تنگ نظری کی حد تک غلط فہمی پائی جاتی ہے، شبلی کا نام ان دیندار مجلسوں کے لئے اجنبی ہے، حیرت اور خوشی ہوئی کہ آپ جو کہ ہندوستان کی ایک عظیم درسگاہ کے شیخ الحدیث تھے علامہ شبلی کی قدر دانی اور مقام شناسی میں شبلی کے کسی مداح سے پیچھے نہیں، آپ کے بارے میں عدم تعصب کا جو تاثر تھا اسے اس سے مزید تقویت ملی:

رکھتے ہیں عاشقان حسن سخن
لکھنؤی سے نہ دہلوی سے غرض

راقم نے بارہا آپ سے علامہ شبلی نعمانی کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندوی اور حضرت مولانا علی میاں کی تعریفیں سنیں، اور آپ کو ان کی علمی تحقیقات کے حوالے دیتے دیکھا۔

ایک بار علامہ شبلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''وہ ایک انقلابی اور بے نظیر شخصیت کے مالک تھے، شبلی تو امام تھے، اگر اور زندہ رہتے تو پتہ نہیں کیا کرتے''۔(۱)

ایک اور بار فرمایا: ''لیکن تصویر کشی میں شبلی کا جواب نہیں، جب بخاری میرے ذمہ آئی اور کتاب المغازی پڑھانا تھا تو میں نے سیرت کی بہت سی کتابیں جمع کیں، سیرت ابن ہشام، زادالمعاد، داناپوری کی اصح السیر اور شبلی کی سیرۃ النبیؐ، انہوں نے بدر کا جو نقشہ کھینچا ہے بے اختیار آنسو چھلک پڑے، ان کو محبت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور محبت میں ڈوب کر لکھتے ہیں''۔(۲)

ایک بار فرمایا: ''تاثیر دو آدمیوں کے یہاں ہے: شبلی نعمانی یا حضرت اقدس تھانوی، ان کے ملفوظات پڑھتا تھا اور روتا تھا، وہ بات ہی کچھ اور تھی''۔(۳)

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۱۱۴۔

(۲) حوالہ بالا صفحہ ۳۰۲۔

(۳) حوالہ بالا صفحہ ۱۸۱۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بارے میں فرمایا: ''ان کے پاس بڑا علم تھا، بہت مطالعہ تھا، ہر طرح کا مطالعہ انہوں نے کیا تھا، اور آدمی بڑے مخلص تھے، زائد الفاظ ان کے پاس نہیں ہوتے، کام کی باتیں ہوتی تھیں، ان کی کتاب خطبات مدراس کا کوئی جواب نہیں، یہ سیرت پاک کا نچوڑ ہے، ہم خطبات اور مواعظ کے نام سے بھاگتے تھے کہ ہمارے موضوع کی کتابیں نہیں ہیں، مگر حضرت تھانوی اس سے مستثنیٰ ہیں، مگر جب خطبات مدراس پڑھی تو آنکھیں کھلیں اور سمجھ میں آیا کہ یہ سیرت نبویہ کا خلاصہ ہے''۔(۱)

مزید فرمایا: ''ٹھوس ہے سید صاحب کا علم، کوئی فن نہیں جس میں سید صاحب نے اپنی عبقریت کا اظہار نہ کیا ہو''۔(۲)

ایک بار فرمایا: ''مولانا انور شاہ صاحب کا شہرہ ضرور ہوگیا کہ ان کی درسگاہ بہت بڑی تھی، وہ اس کے ذمہ دار اعلی تھے، حافظہ غضب کا ملا تھا، طلبہ کے سامنے بولتے تھے اور طلبہ دوسری جگہ پہنچ جاتے تھے، بس اپنے ہی درس کی سنانا شروع کرتے، لیکن علم میں سید صاحب سے مقابلہ نہیں''۔(۳)

ایک بار فرمایا: ''ندوہ کی اردو علمی ہے، اچھی ہے، سید صاحب کی اچھی ہے، مولانا علی میاں کی بھی اچھی ہے''۔(۴)

مزید فرمایا: ''مولانا علی میاں صاحب اس زمانہ کے سب سے بڑے مؤرخ ہیں، اپنے معاصرین سے فوقیت لے گئے''۔(۵)

فرمایا: ''مولانا علی میاں میں لکھنے پڑھنے کا بڑا سلیقہ تھا''۔(۶)

بدء الوحی میں وارد ہرقل کی طویل حدیث میں ''أریسیین'' کا لفظ آیا ہے، اس کے مفہوم میں شراح اور اصحاب سیر کا اختلاف ہے، اس سلسلہ میں آپ نے مولانا ابوالحسن ندوی

---

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۱۱۴۔ (۲) حوالہ بالا صفحہ ۱۸۰۔ (۳) حوالہ بالا صفحہ ۱۸۰-۱۸۱۔

(۴) حوالہ بالا صفحہ ۱۹۹۔ (۵) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۷۰۔ (۶) مجالس محدث عصر صفحہ ۳۰۳۔

کی اس تحقیق کا حوالہ دیا ہے جو آپ نے ''السیرۃ النبویۃ'' میں پیش کی ہے۔(۱)

(۱) نبراس الساری جلد ا رصفحہ ۹۶۹۹۔

ذیل میں علماء کے فائدہ کے لئے اریسیین پر آپ کی تحقیق پیش ہے:

”مـن هم الأريسيون ؟وردت كلمة الأريسيين أو اليريسيين–على اختلاف الروايات– فى الكتاب الذى وجـه إلى هرقل وحده، ولم تردفى كتاب من الكتب التى أرسلت إلى غيره واختلف علماء الحديث واللغة فـى مـدلـول هـذه الـكـلمة، فالقول المشهور أن الأريسيين جمع أريسى وهم الخول والخدم والأكارون، وجـاء فـى لسـان الـعـرب لابـن مـنـظـور، الأرس: الأصـل والأريس: الأكار، نقله عن ثعلب، وذكرعن ابن الأعـرابـى: انه قال أرس يارس أرسا إذا صار أريسا، وأرس يورس تأريسا: إذا صار أكارا:ونقل عن أبى عبيدة انه قال: الأجود عندى أن يقال أن الأريس كبيرهم الذى يمتثل أمره، ويطيعونه إذاطلب منهم الطاعة:

وهذا يتسائل القارى الفطن إذا كان المراد من الأريسيين الفلاحين كان كسرى أبرويز امبر اطورايران احق بـان يـحـذر مـن وقـو ع اثـمهم ومسؤوليتهم عليه، وبأن ترد هذه الكلمةفى الكتاب الذى كتب اليه، فإن طبقة الفلاحين كانت اعظم وأوسع وأكثر تعميزا فى المملكة الساسانية الايرانيةمنها فى المملكة البيزنطية الرومانية، وكـان اكثـر اعتـمـاد ايران فى دخلها ومواردها على الفلاحة، وإلى ذلك نبه الأزهرى، كما نقل عنه ابن منظور بـقـولـه: وكـان أهـل الـسـواد من هو على دين كسرى اهل فلاحة وإثارة للأرض، وكان أهل الروم أهل اثاث وصنعة، فكانوايقولون للمجوس أريسيين نسبوهم إلى الأريس وهوالأكار، وكانت العرب تسميهم الفلاحين.

لـذلك نـرجح ان المراد بالأريسيين هم اتباع أريوس المصرى ٣٣٦–٢٨٠ Arius وهو مؤسس فرقة مسيـحية كـان لهـا دور كبيـر فـى تاريخ العقائد المسيحية والإصلاح الدينى، وقد شغلت الدولة البيزنطية والـكـنيسة الـمسيحية زمنا طويلاً، وأريوس هوالذى نادى بالتوحيد، والتمييزبين الخالق والمخلوق والأب والابـن، عـلـى حـد تـعبيـر الـمسيـحيـن، فـأثار نقاشاحول الموضو ع، وكان الشغل الشاغل فى المجتمع الـمسيـحـى لعدة قرون، وآراؤه تتلخص فى أنه ليس من شان الإله الواحد أن يظهر على الأرض، لذلك هو مـلاالسيـد الـمسيح بالقوة والكلام الإلهى، وأن من صفات اللّٰه الأساسية الوحدانية والأبدية وانه لم يخلق أحدامن ذاته رأسا وأن الابن ليس هو الإله بل هو مظهر لحكمة أمر الرب، وأن ألوهية إضافية لا مطلقة۔

ويـقـول جيمس ماكنون James Mackinon فـى كتـابه من المسيح إلى قسطنطين: كان أريوس يـلـح عـلـى ان الـله وحده القديم،كان الأزلى الأبدى، وليس له شريك وهو الذى خلق الأبن من العدم لـذلك لـيـس الابـن هـو الأزلـى، ولـم يكن اللّٰه أبا من الأبد، فقد كان حين من الدهر لم يكن فيه وجود لـلابـن، وأن الابن يحمل حقيقة خاصة لايشاركه فيها اللّٰه وهوخاضع للتطورات، وليس هواللّٰه بالمعنى الصحيح، الا انه يصلح لأن يكون كاملاً ولكنه على كل حال مخلوق كامل۔

بيـنـمـا كـانـت كـنسية اسـكـندرية فى اوائل القرن الرابع المسيحى تدين بالوهية المسيح اطلاقا من غيرتفريق بين الخالق والمخلوق والأب والابن۔

ایک جگہ فرماتے ہیں: ''ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ ابن تیمیہ جامع اموی میں خطبہ دے رہے تھے اور وہ منبر سے نیچے اتر آئے اور کہا کہ نزول باری تعالی ایسے ہوتا ہے جیسے میں اوپر سے نیچے اتر آیا ہوں، ابن بطوطہ نے یہ واقعہ ایک چشم دید واقعہ کی حیثیت سے نقل کیا ہے مگر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے ''علامۃ الشام علامۃ بہجۃ البیطار'' سے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ یا تو ابن بطوطہ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا اس کو غلط فہمی ہوئی، اس لئے کہ ابن بطوطہ شام سنہ ۷۲۶ ہجری میں

......وقد أقصاه رئيس الكنيسية المصرية البطريق الكساندر فی سنة ۳۲۱م من كنسية الاسكندرية وغادر اريوس المدينة، ولكن لم ينته النزاع بخروجه، وحاول الإمبراطور قسطنطين حسم هذاالخلاف ولكنه اخفق، وفی سنة ۳۲۵م عقد مجمعا فی نيقية اجتمع فيه ۲۰۳۰أسقفا، وكان الإمبراطوريميل إلى الوهية المسيح فحكم ضد اريوس رغم ان اغلبية الحاضرين كانت تؤيد اريوس، ولم يوافقه الا۳۱۸أسقفا، فنفاه الى البريا وأحرقت كتاباته وكان من وجدت عنده يعاقب۔

ولكن هذه المحاولات لم تقلل من أهمية أريوس وإقبال الناس عليه، وكان آخر امره ان قسطنطين لان فی موقفه ورفع الحظر على عقيدته وبعد موت منافسه الأكبر الكساندر ونفی خليفته عاد أريوس إلى الإسكندرية، وكاد قسطنطين يوليه رياسة الكنيسية المصرية ويدين بعقيدته ولكن باغته المنية قبل ذلك۔

وقد جاء فی كتب الصراع بين الدين والعلم درابر ان ثلاثة عشر مجمعا مسيحيا حكمت ضد اريوس فی القرن الرابع المسيحی وخمسة عشر مجمعا حكمت فی تاييده، وسبعة عشر مجمعا أدلت برای قريب من رأی أريوس، وهكذا عقدت خمسة وأربعون مجمعا للتقرير فی هذه القضية۔

والحق ان العالم المسيحی لم يكن له عهد بعقيدة التثليث السائدة الآن قبل القرن الرابع،وقد جاء فی دائرة المعارف الكاثوليكية الجديدة، انه لم يرفع الستار عن تطور عقيدة التثليث وسرها إلا فی المنتصف الثانی للقرن التاسع عشرالميلادی وكل من يتحدث عن عقيدة التثليث المطلقة انما ينتقل من فجر التاريخ المسيحی الى ربع القرن الرابع الأخير، فإن القول بأن الإله الواحد له ثلاثة مظاهر لم يتغلغل فی أحشاء العالم المسيحی فی حياته وفكره إلا فی هذه الفترة الزمنية، ودامت عقيدة أريوس ودعوته تصار عان الدعوة المكشوفة إلى تاليه المسيح وتسويته بالإله الواحد الصمد وكانت الحرب سجالا، وقد دان بهذه العقيدة عد كبير من النصاری فی الولايات الشرقية من المملكة البيزانطية إلى ان عقد تيوسودس الكبير Theodosius The Great مجمعا مسيحيا فی القسطنطينية قضی بالوهية المسيح وابنيته وقضی هذاالإعلان على العقيدة التی دعا إليها أريوس واختفت، ولكنها عاشت بعد ذلك، ودانت بها طائفة من النصاری، اشتهرت ب الفرقة الأريسية أو الأريسيين۔

إذا من المرجح المعقول ان النبی صلى الله عليه وسلم إنما عنى هذه الفرقة بقوله: فإن توليت فإن ......

آیا، اور امام ابن تیمیہ اس وقت قلعہ دمشق میں منتقل ہو چکے تھے اور اس کے بعد وہ کبھی جامع اموی کے خطیب نہیں رہے"۔

درس پر تحقیق کا رنگ غالب

آپ کے درس پر اسی تحقیق کا غلبہ تھا، آپ کی علو ہمتی گوارا نہ کرتی کہ کسی مسئلہ میں شارحین کتب حدیث و ماہرین فقہ کے اقوال گنا دیں، یا کسی خاص فقہی یا کلامی رائے کو ترجیح دیں، بلکہ آپ ہر مسئلہ سے متعلق اقوال و آراء کو دلائل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے، ان کے مظان و غیر مظان کا یکساں حوالہ دیتے، ان میں منصفانہ ومحققانہ موازنہ کرتے، اور جو قول فیصل ہوتا اسے قوت و وضاحت سے پیش کرتے، جب آپ بولتے تو علم آپ کی زبان سے اس آہنگ کے ساتھ جاری ہوتا کہ گویا کوئی موسیقار حقائق پر روشنی ڈال رہا ہے، ایسا لگتا کہ آپ علوم وفنون کا بحر مواج ہیں، جس سے تشنگان دانست وہنر اپنی پیاس بجھاتے اور اس بحر کی کرم گستری میں کوئی کمی نہ ہوتی، آپ ایک فقیہ و فلسفی کی طرح معلومات کا تحلیل و تجزیہ کرتے، اور آراء ونظریات کا مدلل تقابل، آپ نے فقہ کو

......عليك إثم الأريسيين فإنها هي القائمة بالتوحيد النسبي فى العالم المسيحى الذى تتزعمه الدولة البيزنطية العظمى، التى كان على رأسها القيصر هرقل.

ومن الغريب أن بعض كبار علماء الإسلام فى العصر الأول قد ذهبوا إلى هذا، فجاء فى مشكل الآثار للإمام أبى جعفر الطحاوى مؤلف شرح معانى الآثار المشهور مانصه: وقد ذكر بعض أهل المعرفة بهذه المعانى ان فى رهط هرقل تعرف بالأريسية توحداللّٰه، وتعترف بعبودية المسيح له عزوجل، ولا تقول شيأ مما يقول النصارى فى ربوبيته وتؤمن بنبوته فانها تمسك يدين المسيح مومنة بما فى انجيله جاحدة لما يقوله النصارى سوى ذلك وإذا كان ذلك كذلك جاز أن يقال لهذه الفرقة الأريسيون فى الرفع والأريسيين فى النصب والجر، كما ذهب إليه أصحاب الحديث.

وقريبا من ذلك قام الإمام محيى الدين يحيى النووى شارح صحيح مسلم فقال: الثانى انهم اليهود والنصارى وهم اتباع عبداللّٰه بن أريس الذى تنسب إليه الأروسية) من النصارى وله مقالة فى كتب المقالات، ويقال لهم الأروسيون.

(۱) الفيض الجارى آخرى جلد صفه ۳۹۹-۴۰۰۔

ائمہ اربعہ کے دائرہ سے باہر نکالا، اور امام اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد، ابوثور، ابن تیمیہ اور دیگر متقدمین ومتاخرین کی فقہی آراء سے طلبہ اور اہل علم کو متعارف کرایا، اور سب سے بڑھ کر امام بخاری کی فقیہانہ حیثیت کو نہ یہ کہ مطعون ہونے سے بچایا بلکہ براہین قاطعہ کی مدد سے اس کی برتری ظاہر کی، بقول مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے: ''آپ کا درس بڑا شیریں، پرمغز، تحقیقی اور سلف وخلف کے اقوال سے مزین ہوتا تھا''۔(۱)

علمی وتحقیقی مجالس

آپ کی مجلسیں علم وتحقیق کی مجلسیں تھیں، جن میں اہل علم ونظر کا وقار ہوتا، اور جن میں تقوی واخلاص کی روح کارفرما ہوتی، آپ کی نگاہیں عقابی تھیں، پیشانی سے ذہانت اور عزیمت کے آثار ہویدا تھے، حاضرین کو گہری نظر سے دیکھتے، ان کے چہروں سے ان کے ارادے بھانپ لیتے، اور ان کی نگاہوں سے ان کے دلوں میں جھانک لیتے، طلبہ آپ کے اردگرد بیٹھتے، حدیث کی کتابوں کا درس ہوتا، نگاہیں آپ کے تکلم کا انتظار کرتیں، جب حدیث، رجال، علل وفقہ کے کسی دقیق مسئلہ کو پیش کرتے تو ایسا لگتا کہ اس کی تحقیق میں سالہا سال بسر کئے ہیں، بے شمار صفحات کھنگالے ہیں، طالبان علم ودانش کے درمیان ان موتیوں کو بکھیرتے، اور وہ ان گنج ہائے گرانمایہ کو سمیٹ لیتے۔

تحقیق ونظر کی تربیت

بشر الحافی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: ''إن من زينة الدنيا أن يقول الرجل: حدثنا مالك'' اسی طرح آپ کی شاگردی بھی کسی مفخرہ سے کم نہ تھی، جو آپ کے دروس میں حاضر ہوتا، اسے ایسا لگتا کہ گویا کسی اہم ادارہ سے اسے سند مل گئی ہو، کتنے علماء ہیں جن کی محدثانہ

(۱) حیات شیخ الحدیث صفحہ ۲۶۔

تربیت آپ کے دروس سے ہوئی، اور کتنے اہل نظر ہیں جن کو آپ کی صحبت سے بخاری فہمی آئی، آپ نے بخاری فہمی کو ایک نئی سمت عطا کی، اور اپنی محدثانہ تنقیدوں کے ذریعہ علم حدیث کی زوال پزیر روایت کو معیار و اعتبار سے ہمکنار کیا۔

آپ علم کی ذمہ داری کے بارگراں کے احساس سے دبے ہوئے تھے، طلبہ کی تربیت کا خیال ہر قسم کی مراعات پر غالب رہتا، اگر کسی بات سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا تو اس پر متنبہ کرتے، اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ آپ کی گفتگو دین کے اہم مسائل پر ہوتی جن میں معمولی لغزش بھی انحراف پیدا کرسکتی تھی اور دوررس منفی اثرات کی حامل ہوسکتی تھی، علماء وطلبہ کو آپ کے قول فیصل کا انتظار رہتا، آپ کے جوابات جہاں تشفی بخش اور مقنع ہوتے، وہیں فی البدیہ ہوتے، اس صفت میں آپ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے یک گونہ مشابہت تھی، مصر کے مشہور فقیہ وامام لیث بن سعد رحمہ اللہ علیہ کی روایت ہے: ”کنت أتمنى رؤية أبي حنيفة، حتى رأيت الناس متقصِفين على شيخ فقال رجل: يا أباحنيفة، و سأله عن مسئلة، فو اللّٰه ماأعجبني صوابه ما أعجبني سرعة جوابه“۔

مولانا ایوب سورتی صاحب آپ کے طرز تدریس کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”اس طرز تدریس کا فائدہ یہ ہوا کہ پڑھنے والوں میں بھی ذوق تحقیق پیدا ہوا، لکھنے پڑھنے کا ایک ڈھنگ آ گیا“۔(۱)

افسوس صد افسوس کہ آپ کے اکثر تلامذہ و مستفیدین کو آپ کی یہ امتیازی خصوصیات پسند نہیں، وہ آپ کو عام مقلدین کی صف میں رکھنا چاہتے ہیں، اور ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اگر کوئی آپ کی ان خصوصیات پر کچھ لکھے یا بولے، ایسا لگتا ہے کہ گویا ان کے شیخ نے کسی جرم کا ارتاب کیا ہے جسے وہ چھپانا چاہتے ہیں اور جس کے اظہار سے انہیں شرمندگی اور سبکی محسوس ہوتی ہے، ان میں سے بعض کو آپ کی ان خصوصیات کی اہمیت کا احساس

---

(۱) الیواقیت الغالیہ ۱/۸۔

ہے، لیکن وہ کسی دباؤ کے تحت ان کے متعلق بات کرنے یا ان پر کچھ لکھنے سے گھبراتے ہیں، گویا بزبان حال کہہ رہے ہوں: ع

اڑنے سے پیشتر ہی میرا رنگ زرد تھا

اوران کے برتاؤ سے ایسا لگتا ہے کہ گویا یہ خوبیاں نہیں بلکہ معایب ہیں، جن پر پردہ پڑا رہے تو بہتر ہے، اور اگر کوئی انہیں سامنے لانا چاہتا ہے تو اسے منع کرتے ہیں، اور سامنے آنے پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ علماء کو فکری واخلاقی جرأتمندی کی توفیق عطا کرے۔

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی وتقلید سے کور

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کتنے مسائل میں جمہور سے منفرد ہیں، آپ نے پوری بیباکی سے اپنی آراء کا اظہار کیا، جن کی وجہ سے بہت سے تنگ نظروں نے آپ پر تنقیدیں کیں، لیکن ان سے آپ کا حوصلہ پست نہیں ہوا، آپ کو وہ باکمال شاگرد ملے جنہوں نے آپ کے مسائل کو مع دلائل مدون کیا، ان پر وارد اشکالوں کا جواب دیا، اور دنیا کے سامنے واضح کیا کہ آپ دلیل کے پابند تھے، افسوس کہ شیخ یونس کو وہ حوصلہ مند شاگرد نہ مل سکے:

جو دوئیٔ فطرت سے نہیں لائقِ پرواز
اس مرغِ بیچارہ کا انجام ہے افتاد
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امیں کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد

فصل سوم

حنفی مسلک میں اختلاف کی روایت

علم کو تقلید و جمود اور کور مغزی ورکود سے بیر ہے، اور جس چیز سے علم کو بیر ہے، اسی کی گرفت مسلم معاشروں پر مدتوں سے قائم ہے، بقول مولانا شبلی: ''معلوم نہیں مسلمانوں میں کون سی مبارک ساعت میں تقلید کی بنیاد پڑی تھی کہ زمانہ کے سینکڑوں، ہزاروں انقلابات کے ساتھ بھی اس کی بندشیں اب تک کمزور نہیں ہوئیں (۱)، مولانا روم نے تقلید کے متعلق اس سے بھی زیادہ سخت بات کہی ہے:

خلق را تقلید شان بر باد داد

اے دو صد لعنت بریں تقلید باد

افسوس کہ تقلید و جمود پسندی اور کسلمندی نے مسلمانوں کو بہت پیچھے ڈھکیل دیا ہے اور یہ انحطاط وزوال صرف مادی اموراور دنیوی علوم وفنون میں نہیں، بلکہ دینی معاملات اور شرعی علوم وفنون میں بھی ہے، اس سے بڑا افسوس یہ ہے کہ علماء کی پست ہمتیوں نے ان کو تقلید پر قانع اور جمود پر مطمئن بنا دیا ہے، بلکہ بعض ایسے علماء بھی ہیں جو تقلید کی پستی پر فخر کرتے ہیں، اور روایت پرستی کو ایک ہنر سمجھتے ہیں، مزید تکلیف دہ یہ ہے کہ جب کوئی صاحب تحقیق ونظر پیدا ہوتا ہے اور وہ تقلید و جمود کی عام روش سے ہٹ کر سوچتا ہے، تو کوتاہ نظر اس کی مخالفت ودشمنی کو اپنا وتیرہ بنا لیتے ہیں، اور دون ہمت اس کو اپنی سطح پر لانے کی ذلیل ترین کوشش کرتے ہیں۔

---

(۱) مقالات شبلی جلد ۳ / صفحہ ۱۵۲۔

استاد محترم شیخ یونس صاحب کا سب سے بڑا امتیاز جیسے گزشتہ صفات میں اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے، اس حق کا اتباع ہے جس کی پشت پر دلیل کی طاقت ہو، اس طریقہ علمی کے خلاف نہ آپ نے کسی دباؤ کو قبول کیا، اور نہ دوسروں کے مشوروں کے سامنے سرنگوں کیا، آپ علماء وحکماء کے متفق علیہ معیار خوب وزشت کی پیروی کرتے رہے، مگر جو گنج گراں مایہ آپ کی عظمت کا راز تھا، اس کی سرزمین ہند میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی:

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کردار، نہ افکار عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ! محکومی وتقلید وزوال تحقیق

آپ ان چند بلند ہمت اہل تحقیق میں سے تھے جن کے پہچاننے میں ان کے عہد نے سخت کوتاہی کی، صفت بحث وتحقیق ہمارے اس ماحول میں ضرور حیرت انگیز ہے، جس میں ہر طرف تقلید کا غلبہ اور نتیجتاً جہاں تعصب وتنگ نظری کا دوردورہ ہے، شیخ کی اس عظیم خوبی کو کتنے بونوں نے عیب تصور کیا اور آپ پر حنفی مسلک سے انحراف کا الزام لگایا اور اسلاف کے منہج سے بغاوت کی تہمت آپ کے سر باندھی گئی، ایک مرتبہ حرم مکی شریف میں ہندوستان کے ایک عالم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، شیخ یونس کے درس کا وقت قریب ہو گیا تو ان سے اجازت لی، انہوں نے شیخ کا نام سن کر حرم شریف کے اندر ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کیئے:

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست

حضرت شیخ نے حق کے لئے صرف باطل ہی سے جنگ نہیں لڑی بلکہ اس حق کے بزدل متبعین سے بھی آپ کو سابقہ پڑا، ان کی ہمت شکنیاں راہ میں حائل ہوتی رہیں، مگر آپ

نے ان لوگوں کی پرواہ نہیں کی، اپنے دروس میں واضح طور پر فرماتے کہ میں تمہاری طرح حنفی نہیں ہوں، اور اس طرح ان رکاوٹوں کو زیر وزبر کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے:۔

گفتند جہاں من آیا بہ تو می سازد
گفتیم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

آپ نے اپنے اس سفر علم وحق میں شرافت ودین کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، حاسدین اور معاندین کی ایذا رسانی کے باوجود بھی آپ اپنے ان مخالفین کا تذکرہ نہ کرتے، نہ ان کا جواب دیتے، اور نہ ان کی شکایت سے اپنے نفس کو آلودہ کرتے:

شداست سینہ ظہوری پر از محبت یار
برائے کینہ اغیار در دلم جانیست

مختلف فیہ مسائل میں علماء کا توسع

اگر حق اور مستند قول کی پیروی کوئی جرم ہے اور اگر دلیل کی کمزوری کی وجہ سے کسی رائے اور مسلک کو ترک کرنا گناہ ہے، تو اس کا ارتکاب حق پسند علماء نے ہر دور میں کیا ہے، اور شیخ یونس اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، اس طریقۂ کار کی تائید میں صحابہ کرام وتابعین سے لیکر اور ان کے بعد امام ابوحنیفہ اور امام مالک سے لیکر اب تک کے سینکڑوں علماء کے اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں، لیکن جو لوگ شیخ پر نکتہ چینی کرتے ہیں وہ صرف ایک خاص حلقہ کے علماء ہی کی بات سننا گوارا کرتے ہیں، اس لئے ان کی تسلی کے لئے ایسے ہی علماء کے اقوال وافکار کی روشنی میں یہاں احقاق حق کی کوشش کی جائے گی، مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: ’’مسائل مختلفہ ائمہ میں تشدد کرنا مناسب نہیں‘‘۔(۱)

(۱) باقیات فتاوی رشیدیہ صفحہ ۲۸۲۔

ایک مسئلہ میں مولانا محمد علی مونگیریؒ کا مولانا گنگوہی سے اختلاف تھا، اس کے متعلق حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے مولانا مونگیری کے پاس لکھا:

''مکرر یہ کہ عزیزم مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی کو آپ سے رنج ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، سوااس کے کہ اختلاف بعض مسائل کی وجہ سے آپس میں حجاب ہو گیا ہے، جس وقت کہ بدستور سابق خط و کتابت اور آمد و شد جاری ہو جائے گی، تو بالکل صفائی ہو جائے گی، مسائل میں صحابہ کرام، وائمہ مجتہدین، وعلمائے محققین رضوان اللہ عنہم اجمعین میں بھی آپس میں اختلاف تھا؛ لیکن اس کی وجہ سے کسی کو ذرہ برابر بھی کدورت نہ ہوئی''۔(۱)

سلف کا طریقہ کار

جیسا کہ اوپر گزرا اہل تحقیق ہمیشہ دلیل کی پیروی کرتے ہیں، خواہ دلیل ان کے اپنے مسلک اور اسکول کے خلاف ہو، کیونکہ صداقت کسی مسلک اور اسکول کی مقلد نہیں ہوتی، خود ائمہ اربعہ کے ماننے والوں کی یہ روایت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں کہ ان کے سامنے جب کوئی بات واضح ہو جاتی تو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے اور حق کی راہ میں مسلکی تعصب اور گروہ بندی کو حائل نہیں ہونے دیتے۔

امام ابو حنیفہ کے شاگردوں نے بعض محققین کے بقول ایک تہائی مذہب میں امام صاحب کی مخالفت کی ہے، امام زفر کے نزدیک وضو کے اندر کہنیاں، ہاتھ دھونے میں اور ٹخنے پاؤں دھونے میں شامل نہیں اور اس رائے میں وہ صرف ائمہ احناف کے خلاف نہیں بلکہ جمہور امت کے خلاف ہیں، امام صاحب کے نزدیک ظہر کا وقت مثلین تک رہتا ہے، آپ کی یہ رائے جمہور کے خلاف ہے، آپ کے عظیم شاگردوں نے بھی جمہور کے مطابق ایک مثل کو انتہائے وقت ظہر اور ابتدائے وقت عصر قرار دیا ہے، امام صاحب کے نزدیک

(۱) سیرت سید محمد علی مونگیری صفحہ ۳۳-۳۴۔

شفق سے مراد شفق ابیض ہے، یہ رائے بھی جمہور کے خلاف ہے، آپ کے شاگرد بھی جمہور کی رائے کے مطابق اس کے قائل ہیں کہ شفق سے مراد شفق احمر ہے، امام صاحب کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال تک ہے، صاحبین اور جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال تک، جب کہ امام زفر کے نزدیک تین سال تک ہے، اسی طرح ہر دور اور ہر خطہ کے احناف اور دوسرے مسالک کے متبعین کے یہاں اپنے اپنے مسلک سے اختلاف کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

ہندوستان کے علماء کی مثالیں

ہندوستان کے علماء نے تحقیق کی اس روایت کو جاری رکھا، کتنے مسائل ہیں جن میں یہاں کے سوچنے والوں نے دلائل کی قوت سے متأثر ہوکر یا امت کے لئے آسانی پیدا کرنے کی غرض سے اپنے مسلک ومکتبہ فکر سے اختلاف کیا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس امر کو بار بار واضح فرمایا ہے، آپ نے بہت سے مسائل میں حنفی مسلک سے اختلاف کیا، آپ کی کتابیں: حجۃ اللہ البالغہ، الانصاف فی مسائل الخلاف مصفی، شرح موطا اور تفہیمات وغیرہ اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

شاہ صاحب نے فقہی مسلکوں کی حقیقت اور ائمہ کے اختلاف کے مفہوم کو جس طرح سمجھا اور اسے واضح کیا ہے، اس کی نظیر بہت کم ہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں: ”حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمت حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلہ زریں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ وحدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع وتالیف کی کوشش تھی، اس سے اس بشارت نبوی کی تصدیق ہوتی ہے، جس میں کہا گیا تھا کہ: ”تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے ایک

خاص نوع کا کام لے گا‘‘ ۔(۱)

شاہ صاحب اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: ’’مسائل فروعی میں ایسے علمائے محدثین کی پیروی کرنی چاہیئے جو فقہ وحدیث دونوں کے عالم ہوں، مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاتے رہنا چاہیئے ۔(۲)

حاشیہ میں شاہ صاحب کی عربی وفارسی تحریروں سے بعض نقول درج ہیں: (۳)

شاہ صاحب کے خاندان میں آپ کے پوتے مولانا محمد اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ جو علم وتحقیق میں اپنے دادا کی مثال تھے، جرأتمندی سے حق کا اتباع کرتے اور حدیث صحیح

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد۵ رصفحہ ۱۹۸۔

(۲) تاریخ دعوت وعزیمت جلد۵ رصفحہ ۲۰۲۔

(۳) شاہ صاحب فرماتے ہیں:"وأقرب الناس إلى المجددية، المحدثون القدماء، منهم البخاری ومسلم وأشباهم ، ولما تمت بی دورة الحكمة، البسنی الله سبحانه خلعة المجددية فعلمت علم الجمع بين المختلفات، وعلمت ان الراى فى الشريعة تحريف، وفى القضاء مكرمة۔

(تتميم): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم العلم: ثلاثة، وما سوى ذلك فضل : (۱) آية محكمة۔ (۲) سنة قائمة۔ (۳) فريضة عادلة ۔

فالآية علم القرآن ، والسنة، علم مايوثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى العبادات والعادات وغيرها، والفريضة العادلة: علم القضاء، يجوزلك العمل فيه برايك ، فإن تحمل رجل قبلك أمر، ووافق ظنك فلا تجاوزعنه، وهو الإجماع، ولا إجماع ولا قياس فى السنة۔(التفہیمات ۱؍۴۰؍۴۱)

مزید فرماتے ہیں:" ونحن نأخذ من الفروع مااتفق عليه العلماء ، لاسيما هاتان الفرقتان العظيمتان، الحنفية والشافعيه، وخصوصا فى الطهارة والصلاة فإن لم يتيسر الاتفاق واختلفوا فناخذ بما يشهد له ظاهر الحديث ومعروفه، ونحن لا نزدرى أحدا من العلماء ، فالكل طالبوا الحق، ولانعتقد العصمة فى أحد غير النبى صلى الله عليه وسلم"۔(التفہیمات ۲؍۲۰۲)

یہ پوچھے جانے پر کہ فقہی مسائل میں آپ کا عمل کس مسلک پر ہے، فرمایا:"بقدر امکان جمع میکنم در مذاهب مشهوره، مثلاً صوم وصلاة ووضوء وغسل وحج بوضعی واقع می شود که همه اهل مذاهب صحیح دانند وعند تعذر الجمع باقوی مذاهب از روی دلیل وموافقت صریح حدیث عمل می نمایم وخدائے تعالی این قدر علم داده است که فرق درمیان ضعیف وقوی کرده شود، ودر فتوی بحال مستفتی کار می کنم مقلد هر مذهبی که باشد او را از همان مذهب جواب میگویم ، خدائے تعالی بهر مذاهب ازیں مذاهب مشهوره معرفتی داده است، الحمدلله۔(مکتوب پنجم صفحہ ۱۹۹)

کے مقابلہ میں کسی رائے اور مسلک کی پرواہ نہ کرتے، مثلاً آپ حنفی مسلک کے برخلاف رفع یدین کو سنت غیر موکدہ کہتے تھے، اس پر عمل کرتے تھے اور اس موضوع پر آپ نے ''تنویر العینین'' نامی ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا تھا۔(۱)

اسی طرح شاہ صاحب کے معاصر حنفی عالم اور نقشبندی بزرگ مرزا مظہر جان جاں دہلوی بھی مختلف مسائل میں احناف کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے مسالک پر عمل کرتے تھے۔(۲)

اسی طرح مشہور حنفی فقیہ اور اصولی مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلی بھی دوسرے

---

(۱) آپ کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: ''وہ ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں تھے، جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، وہ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے، اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ ان میں بہت سے علوم کو از سر نو مدون کرنے کی قدرت وصلاحیت تھی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک خط میں ان کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی تصنیف اور علم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے، وہی علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت ذوق، قرآن وحدیث کا خاص تفقہ اور استحضار اور زور کلام''۔(تاریخ دعوت وعزیمت صفحہ ۳۷۸/جلد ۵)

(۲) آپ کے متعلق علامہ عبدالحئی حسنی تحریر فرماتے ہیں:"وكان حنيفا فى الفروع لكنه كان يترك العمل بالمذهب إذا وجد حديثا صحيحاغير منسوخ، ولايحسب ذلك خروجا عن المذهب، ويقول: العجب كل العجب، إن الحديث الصحيح غير المنسوخ لايعمل به مع أنه يروى عن النبى المعصوم عن الخطاء (صلى الله عليه وسلم) ببضع وسائط من الرواة الثقاة، ويعمل بالروايات الفقهية التى نقلها القضاة والمفتون بوسائط عديدة عن الإمام غير المعصوم مع أن ضبطهم وعدلهم غير معلوم۔

قال محسن بن يحيى الترهتى فى اليانع الجنى: إنه كان ذا فضائل كثيرة، قرأ الحديث على الحاج السيالكوتى وأخذ الطريقة المجددية عن أكابر أهلها، كان له فى اتباع السنة والقوة الكشفية شان عظيم، شهد أئمة الصوفية والمحدثين بفضله وجلالته كشيخه السيالكوتى وأبى عبدالعزيز والحاج فاخر الإله آبادى المحدث رحمه الله تعالى، وله شعر بديع ومكاتيب نافعة، وكان يرى الإشارة بالمسبحة ويضع يمينه على شماله تحت صدره، ويقوى قراءة الفاتحة فيما لايجهرالإمام فيه بالقراءة، وأقرالمحدث حياة السندى المدنى على قوله بوجوب العمل بالحديث بشرطه وإن خالف المذهب۔

قال أحمدبن الحسن القنوجى فى الشهاب الثاقب: واجاب مولانا مظهر جانجاناں فى بعض مكاتيبه من سوال العمل بالحديث والانتقال من مذهب إلى مذهب بما مر من حديث محمد حياة السندى، وخلاصة جزيل المواهب وأردف الكلام بما معناه انتقل كثيرة من السلف والخلف من مذهب إلى مذهب، ولو كان الانتقال غير جائز لماارتكبوه ومن قال خلاف ذلك فقول بلا دليل وغير مقبول ولا معقول، وكان يقول:علم الحديث جامع للتفسير والفقه ودقائق السلوك، يزداد نور العلم......

مسالک پر عمل کرنے کے قائل تھے:(۱)

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلّی کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''احناف میں مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں ایک معتدل روش رکھتے تھے، یعنی ان کو اس مسئلہ میں وہ غلو نہ تھا جو اس زمانہ کے دوسرے

......ويتولد توفيق العمل الصالح والأخلاق الحسنة من بركاته، والعجب أنهم لايعملون بالحديث الصحيح المنسوخ الذى بينه المحدثون وعلم أحوال رواته وانتهى والى النبیؐ المعصوم الذى لاسبيل للخطأ إليه بواسطة عديدة، ويعملون برواية الفقه التى ناقلوها قضاة ومفتون وأحوال ضبطهم وعدلهم غير معلومة وتنتهى بأكثر من وسائط إلى المجتهد ومن شانه الخطأ والصواب۔

وكان يقول: قدم الورع والتقوى، واتبع المصطفى بالقلب واعرض احوالك على الكتاب والسنة، فإن كانت موافقة للسنة فاقبلها، وإن كانت مخالفة للسنة فارد دها، وتعلم الحديث والفقه على التزام عقيدة أهل السنة والجماعة وادخر الثواب الأخروى فى صحبة العلماء، وإن استطعت إن تواظب العمل بالحديث فافعل، وإلا فاعمل به احيانا لكيلا تحرم نوره۔

وكان يقول: ترك الرفع من جناب المجدد للاجتهاد، والسنة المحفوظة من النسخ مقدمة على اجتهاد المجتهد، وترك الرفع بعد ثبوت سنيته بحجة ترك المجدد غير مقبول، وقد حذر المجدد من ترك النسة تحذيرا كثيرا، وكان على المذهب الحنفى، وقد قال الإمام أبو حنيفة: إذا ثبت الحديث فهو مذهبى واتركوا قولى بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم فالمرجو أن لايتغير المجدد بترك هذا الأمر الاجتهادى، والأخذ بالأحاديث الصحيحة۔(نزهة الخواطر)

(۱) آپ کے متعلق علامہ عبدالحیٔ حسنی تحریر فرماتے ہیں:'' قال فى شرح مسلم الثبوت تحت قوله: ولو التزم مذهبا معينا الخ، فهل يلزم الاستمرار عليه أم لا؟ فقيل: نعم يجب الاستمرار ويحرم الانتقال من مذهب إلى آخر حتى شد بعض المتأخرين المتكلفين، وقالوا: الحنفى إذا صار شافعيا يعزر، وهذا تشريح من عند انفسهم، لأن الالتزام لايخلو عن اعتقاد عليه بالحقيقة فلا يترك، قلنا: لانسلم ذلك، فإن الشخص قد يلتزم من المتساويين أمرا للتفقه له فى الحال ودفع الحرج عن نفسه، ولو سلم فهذا الاعتقاد لم ينشأ بدليل شرعى، بل هو هوس من هوسيات المعتقد، ولايجب الاستمرار على هوسه فافهم وتثبت۔

وقيل: لايجب الاستمرار ويصح الانتقال، وهذا هو الحق الذى ينبغى أن يومن ويعتقدبه، لكن لاينبغى الانتقال للتلهى، فإن التلهى حرام قطعا فى المذهب أو غيره إذ لاواجب إلا ما أوجب الله تعالى، والحكم له ولم يوجب على احد ان يتمذهب بمذهب رجل من الأئمة، فايجابه تشريع شرع جديد، ولك ان تستدل عليه بأن اختلاف العلماء رحمة بالنص، وترفيه فى حق الخلق، فلو الزم العمل بمذهب كان هذا نقمة وشدة۔(نزهة الخواطر)

علمائے احناب کوتھا، مولانا موصوف نے ۱۲۹۴ میں ”إمام الکلام فیما یتعلق بالقراءة خلف الإمام“ کے نام سے ایک مفصل کتاب بطور محاکمہ کے لکھی تھی اوراس میں فقہائے اربعہ کے مسلک کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا اور نتیجہ یہ نکالا تھا کہ ائمہ احناف کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا نہ پڑھنا متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، بلکہ بعض پڑھنے کے بھی قائل ہیں اور کم ازکم یہ کہ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا نہ حرام ہے نہ مکروہ، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہ شافعیوں کی طرح اس کا پڑھنا ہر حال میں واجب نہیں سمجھتے، آخر میں مولانا عبدالحیٔ صاحب نے اپنی تحقیق یہ ظاہر فرمائی ہے کہ جہری میں امام کے سکتات میں یعنی سورۂ فاتحہ پڑھنے میں جہاں جہاں امام چپ ہو اور سری میں عام طور سے مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے“۔(۱)

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی کتابوں میں غیر حنفی رایوں کو ترجیح دینے کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں، تطویل کے خوف سے ان کو یہاں نقل نہیں کیا جاتا اور اگر کسی کو اس موضوع پر تحقیق کی خواہش ہو تو آپ کی عربی وفارسی تصنیفات کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔

علماءندوہ

تحریک ندوہ کا پس منظر یہی ہے کہ جزئیات اور فروعی مسائل میں توسع اختیار کیا جائے، مسلمانوں کے مکاتب فکر کے درمیان دوری کم کی جائے اور مختلف فیہ امور میں شدت نہ کی جائے، کسی عالم کی اس لئے نہ مخالفت کی جائے کہ اس نے اپنے مسلک کو چھوڑ کر کسی اور مسلک پر فتوی دیدیا ہے، ندوہ کا یہ وہ منہج ہے جس پر تمام بانیان ندوہ اور اس کے علمائے کبار متفق تھے، مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا لطف اللہ علی گڈھی، مولانا محمد علی مونگیری، علامہ شبلی نعمانی، مولانا سید عبدالحیٔ حسنی، نواب حبیب الرحمٰن خان شیروانی وغیرہ اسی توسع کے حامی تھے اور انہیں کی تعلیمات کی روشنی میں یہ توسع ندوہ کی امتیازی

(۱) حیات شبلی صفحہ ۱۰۴-۱۰۵۔

شان بن گیا، مولانا محمد علی مونگیری نے کئی امور میں اپنے وقت کے فقہائے احناف سے اختلاف کیا، ان میں ایک مسئلہ اردو زبان میں جمعہ کے خطبہ کا ہے، اس پر متعدد علماء نے آپ کی تصدیق کی، جن میں ان کے استاد مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا اشرف علی تھانوی شامل تھے، اسی طرح ''نزہۃ الخواطر'' کے مصنف مسلکی تعصب وتصلب کے خلاف تھے اور اپنے استاذ علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلّی کے طریقہ کے مطابق صحیح حدیث کو رائے پر ترجیح دیتے تھے اور جہاں ایک طرف آپ کو مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ سے عقیدت تھی وہیں دوسری طرف اس وقت کے کبار علماء حدیث سے آپ کے اچھے تعلقات تھے، آپ نے اپنی انوکھی کتاب "الثقافة الإسلامية فی الهند" میں ہندوستان کے فقہ کے ماہرین اور مفتیوں کی بڑی عالمانہ ومحققانہ تقسیم کی ہے، جسے ہم حاشیہ میں نقل کرتے ہیں۔(۱)

---

(۱) أهل الهند من سالف الزمان على مذهب أبی حنيفة، غير السواحل من بلاد مدراس ومليبار والكوكن، فإنها كانت موردا ومشربا لأهل اليمن والحجاز، وإنهم كانوا على مذهب الشافعی، فبقوا على ذلك المذهب إلى اليوم، وأما المالكية والحنابلة فليس لهم عين ولا أثر فی أرض الهند إلا من جاء منهم على سبيل التجارة أو لغرض آخر۔

ثم حدث قوم من بينهم فی هذا القرن، فإنهم رفضوا التقليد بالمذاهب المذكورة، وتمسكوا بالكتاب والسنة، فمنهم من سلك مسلك التوسط بين الإفراد والتفريط، وذهب إلى أنه لايجوز تقليد شخص معين مع تمكن الرجوع إلى الروايات الدالةعلى خلاف قول الإمام المقلد(بالفتح) والتقليد المطلق جائز والإلزام تكليف كل عامی، وهذا مذهب الشيخ ولی الله بن عبدالرحيم الدهلوی وحفيده إسمائيل بن عبدالغنی بن ولی الله ، وأكثر اتباع سيدنا الإمام احمد بن عرفان بن نور الشهيد السعيد۔

ومنهم من ذهب إلى حرمة التقليد، ووجوب الاتباع بصرائح الكتاب والسنة، وإبطال حجية القياس والإجماع، وهذا مذهب الشيخ فاخر بن يحيیٰ العباسی الإله آبادی، والشيخ نذير حسين بن جواد على الحسينی الدهلوی، والسيد صديق حسن الحسينی القنوجی وأتباعهم۔

ومنهم من سلك مسلك الإفراد جدا وبالغ فی حرمة التقليد، وجاوز عن الحد، وبدع المقلدين وادخلهم فی اهل الأهواء، ووقع فی أغراض الأئمة، ولا سيما الإمام أبی حنيفة، وهذا مسلك الشيخ عبدالحق بن فضل الله البنارسی، والشيخ عبدالله الصديقی الاله آبادی وغيرهما۔

ولهم فی ذلك مصنفات كثيرة، كدراسات اللبيب للشيخ معين بن امين السندی، وقرة العينين للشيخ فاخر المذكور، وتنوير العينين للشيخ إسماعيل بن عبدالغنی الدهلوی المذكور، ومعيار الحق ......

مولانا شبلی نعمانی علامہ ابن عابدین کے رسالہ "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کے بعد مصنف (یعنی ابن عابدین) نے بہت سی مثالیں دی ہیں، جس میں زمانہ کی رسم وعادت کی وجہ سے احکام بدل گئے، ان میں سے چند یہ ہیں:

پہلے مجتہدین کا فتوی تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا جائز نہیں، اب فقہاء نے اس کے جواز کا فتوی دیدیا۔

امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ گواہ کا ظاہر میں ثقہ ہونا کافی ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد نے ظاہری عدالت کو نا کافی قرار دیا، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اکثر لوگ ثقہ اور عادل ہوتے تھے، اس لئے ظاہری عدالت کافی تھی، لیکن پھر وہ حالت نہیں رہی۔

پہلے وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق حاصل تھا، متاخرین نے اس کو ناجائز قرار دیا، اس قسم کی قریبا سو مثالیں مصنف نے پیش کی ہیں جن میں زمانہ کے اختلاف حالت کی وجہ سے احکام فقہی بدل گئے ہیں۔(۱)

اس کے بعد مولانا شبلی فرماتے ہیں: "ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ فقہ

...... للسيد نذير حسين المذكور، واعتصام السنة وغيره من الكتب الكثيرة للشيخ عبدالله الاله آبادى المذكور، والجنة فى الأسوة الحسنة بالسنة للسيد صديق حسن المذكور، وله كتب آخر فى هذا الباب، ولغيره من العلماء مصنفات شهيرة لم نذكرها خوفا للاطالة۔

وللسيد صديق حسن المذكور كتب فى الفقه الحديث، منها: مسك الختام شرح بلوغ المرام، وبدور الأهلة، ودليل الطالب، وهداية السائل، وفتح المغيث، والنهج المقبول، والعرف الجارى، وغير ذلك۔

وأما المقلدون من الأحناف فهم على طائفتين، منهم من يسلك مسلك التحقيق والإنصاف كالعلامة عبدالعلى بن نظام الدين اللكهنوى، صاحب رسائل الاركان، والشيخ عبدالحئى بن عبدالحليم اللكنهوى، صاحب التعليق الممجد، ومنهم مقلد جامد مجادل، كالشيخ فضل رسول الأموى البدايونى وأتباعه۔(الثقافة الإسلامية فى الهند۱۰۳-۱۰۴)

(۱) مقالات شبلی جلد ا/صفحہ ۷۵/۷۶۔

اسلامی میں ترقی اور اقتضائے ضروریات کی موافقت کی قابلیت نہیں ہے ، آج کل معاملات کے متعلق سینکڑوں ، ہزاروں جزئیات جو پیدا ہو گئے ہیں، ان کو اگر جائز یا حرام کہا جاتا ہے تو اس بنا کہ ان کو کسی قدیم کلیۃ کے تحت میں داخل کر لیا جاتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ یہ جزئیات اس زمانہ میں موجود نہ تھے ، لیکن علامہ شامی نے سینکڑوں روایتوں کی اسناد سے ثابت کر دیا ہے کہ عام رواج کی بنا پر کلیات کا حکم خاص کر دیا جاتا ہے ۔(۱)

مولانا شبلی نے اپنے سفر نامہ مصر وروم وشام میں لکھا ہے: ’’چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر پرندے جانور ذبح نہیں کئے جاتے اور مولوی سمیع اللہ خان صاحب نے اپنے سفر نامہ میں تجربہ سے اس کی تصدیق بھی کی ہے ، میں نے دو تین روز تک پرندے کے گوشت کھانے سے پرہیز کیا، مسٹر آرنلڈ نے مجھ سے اس کا سبب دریافت کیا ، میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں منخنقہ حرام ہے، بولے کہ اس جہاز پر ذبح کئے جاتے ہیں، گردن مروڑ کر مارے نہیں جاتے ، چونکہ شرعاً ان کی تنہا شہادت کافی نہ تھی ، میں خود گیا اور اس کی تصدیق کی ، ذبح کرنے والا عیسائی تھا، وہ ذبح کرتے وقت کچھ پڑھتا نہ تھا، صرف گردن پر چھری پھیر دیتا تھا، اگر چہ حنفیوں کے یہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں، لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کے لئے میں شافعی بن گیا تھا، جن کے یہاں ہر طرح کا ذبیحہ جائز ہے ۔(۲)

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ جزئیات وفروع میں غیر حنفی رایوں پر فتوی دینے کے قائل تھے، ان کے صاحبزادے پروفیسر سلمان ندوی مدظلہ العالی نے مجھ سے کئی مرتبہ نقل کیا کہ کراچی میں ایک بار ایک نو مسلم انگریز نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدی، اس مسئلہ پر مفتی شفیع صاحب اور دوسرے علماء نے غور وفکر کیا، آخر میں انھوں نے کہا کہ سید صاحب فیصلہ کریں، سید صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص نو مسلم ہے، اس پر حنفی رائے تھوپنا

(۱) مقالات شبلی جلد ۱ رصفحہ ۷۸)

(۲) سفر نامہ مصر وروم وشام صفحہ ۱۶۔

کیوں ضروری ہے، اگر بعض لوگوں کے نزدیک گنجائش نکلتی ہے تو اس کے لئے اسی رائے پر فتوی دیں، مفتی شفیع صاحب نے فرمایا کہ یہ بات سید صاحب ہی کہہ سکتے تھے۔

سید صاحب متقدمین کی طرف رجوع کرتے تھے، متاخرین کے فتووں میں احتیاط فرماتے، آپ نے مولانا تھانوی کو ایک خط میں لکھا: ''فقہ میں متأخرین کا متبع نہیں، مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ تعالی کا دل سے ادب کرتا ہوں، اور کسی رائے میں کلیۃ ان سے عدول حق نہیں سمجھتا۔(۱)

سید صاحب نے آلۂ مکبّر الصوت پر نماز کے جواز کا فتوی اس وقت دیا جب کہ ہندوستان کا کوئی مشہور عالم اس کا قائل نہ تھا، اس کے بعد آپ نے ایک سفر حج کے دوران علمائے حجاز کی توجہ اس کے علمی دلائل کی طرف دلائی، مولانا ظفر احمد عثمانی نے جو سفر میں ساتھ تھے واپسی پر لوگوں سے کہا: ''حضرت سید صاحب نے تو علماء حجاز میں تہلکہ مچادیا''۔(۲)

سید صاحب نے فوٹو کے متعلق ایک رسالہ ''جواز عکسی تصاویر کی شرعی بحث'' لکھا، اس میں موضوع کے مختلف پہلوؤں پر مدلل گفتگو کرنے کے بعد لکھا: ''اس تفصیل کے بعد اسلام میں تصاویر کے شرعی حکم کے متعلق یہ فیصلہ سمجھنا چاہئے کہ جو تصویریں مشرکانہ ہیں یعنی ان چیزوں کی تصویریں جن کی پوجا اور پرستش کی جاتی ہے، مثلاً ہندوؤں میں دیوتاؤں کی تصویریں، کیتھولک عیسائیوں میں حضرت عیسی، حضرت مریم اور شہیدوں کی تصویریں وہ قطعاً ناجائز اور حرام ہیں، اور ان کے بنانے والے سخت ترین عذاب کے مستوجب ہیں، لیکن جو تصویریں محض زیبائش وآرائش کے کام آتی ہیں اولی اور بہتر تو یہ ہے کہ ان سے بھی احتراز کیا جائے، لیکن اگر کوئی استعمال کرے تو انشاءاللہ عاصی نہ ہوگا۔(۲)

(۱) تذکرہ سلیمان صفحہ ۹۹۔ (۲) تذکرہ سلیمان صفحہ ۹۹۔

(۳) جواز عکسی تصاویر کی شرعی بحث صفحہ ۱۴۔

علماء دیوبند

اکابر علمائے دیوبند بھی قدیم محققین علمائے احناف کے اسی مسلک پر گامزن تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مکتبہ فکر سے انتساب کرتے اور فروع وجزئیات میں بوقت ضرورت وحاجت دوسرے مسلکوں پر بھی فتوی دیتے اور دوسرے مسلکوں پر عمل کرنے والوں بلکہ اہل حدیث کو بھی گمراہ نہ سمجھتے اور انہیں اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں شدت کو مناسب نہیں سمجھتے تھے، اس فصل کے شروع میں مولانا گنگوہی کا قول گزر چکا ہے کہ ’’مسائل مختلفہ ائمہ میں تشدد کرنا مناسب نہیں، اسی طرح مولانا محمد علی مونگیری کے نام حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا مکتوب بھی اوپر نقل ہوا ہے جس میں مختلف مسائل میں نرمی کو سلف کا طریقہ بتایا گیا ہے‘‘، ذیل میں مزید چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے بڑا افقیہ دیوبند کے حلقہ میں کوئی دوسرا نہیں ہوا، تمسک بالسنن وانکار بدع کے سلسلہ میں آپ کا طریقہ معلوم ہے اور اس راہ میں آپ کی کوششیں کسی سے مخفی نہیں، جزئیات وفروع فقیہ میں آپ تشدد کے قائل نہ تھے، ایک جگہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’چونکہ یہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی ایک متعین اور خصوصی سورہ ہے، جب کہ دوسری سورتیں اس طرح متعین نہیں، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورۂ فاتحہ کا تذکرہ فرمایا اس کا تمام تر تعلق صرف اس سورہ کی خصوصیت کی بنا پر ہے اور معلوم ہے کہ یہی وہ سورہ ہے جس کے نہ پڑھنے سے نہ تو امام کی نماز ہوگی جب کہ وہ امامت کر رہا ہو، اور نہ منفرد کی جب کہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو، مقتدی تو اس کے حق میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کا

معاملہ بجز مباح ہونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اباحت و کراہت کا مسئلہ خود احناف کی یہاں یہی اختلافی مسائل میں ہے۔(۱)

مولانا گنگوہی ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں: ''مثل ثانی میں علمائے احناف نے اختلاف کیا ہے، مشہور وہی روایت ہے کہ مثل ثانی ظہر میں ہے، مگر بعض معتمدین صاحبین کے مذہب پر فتوی دیتے ہیں اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر مثل اول میں اور عصر مثلین کے بعد پڑھیں''۔(۲)

مفقود الخبر کی بیوی اگر امام مالک کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے شادی کرلے، اس سوال کے جواب میں مولانا گنگوہی فرماتے ہیں: ''الحاصل زن مفقود کا نکاح ایک مذہب ہے، اس کے عمل درآمد پر بوجہ ضرورت نزاع اور طعن نہیں چاہئے۔(۳)

ترمذی شریف میں باب ماجاء فی الصلاۃ عندالزوال کے تحت ایک حدیث ہے:"حدثنا أبو موسى محمد بن المثنى، حدثنا أبو داود الطيالسى، حدثنا محمدبن مسلم بن أبى الوضاح، هو أبو سعيد المودب، عن عبدالكريم الجزرى، عن مجاهد، عن عبدالله بن السائب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى أربعا بعد أن تزول الشمس قبل الظهر، وقال: إنها ساعة تفتح فيها أبواب السماء، وأحب أن يصعد لى فيها عمل صالح"۔

اس کی تشریح میں مولانا گنگوہی ''الکوکب الدری'' میں فرماتے ہیں:" قال بعضهم هذه سنن الظهر، والحق أنها غيرها، أما عند الشافعية فظاهر، إذهم قائلون بان سنة الظهر ركعتان، وهذه أربع بتسليمة وأما عندنا فلما ورد من اتصال السنن بالفرائضض ، إذ هو الأصل، وأمرنا بتاخير الظهر فى الصيف، فكيف

(۱) نقش دوام صفحہ ۲۶۰۔
(۲) باقیات فتاوی رشیدیہ صفحہ ۱۵۲۔
(۳) الکوکب الدری جلد ۱ صفحہ ۴۰۱۔

یکونان واحداً، وبینهما بون بعید ووقت مدید“۔

الدرالمختار میں ہے:”وکرہ نفل قبل صلاۃ المغرب“، باب ماجاء فی الصلاۃ قبل المغرب“ **میں امام ترمذی فرماتے ہیں:**”حدثنا ھناد، حدثنا وکیع، عن کھمس بن الحسن، عنداللّٰہ بن بریدۃ ، عن عبداللّٰہ بن مغفل عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: بین کل أذانین صلاۃ لمن شاء وفی الباب عن عبداللّٰہ بن الزبیر، قال ابو عیسی حدیث عبداللّٰہ بن مغفل حدیث حسن صحیح، وقد اختلف أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الصلاۃ قبل المغرب، فلم یر بعضھم الصلاۃ قبل المغرب وقدروی عن غیر واحد من أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إنھم کانوا یصلون قبل صلاۃ المغرب رکعتین بین الأذان والإقامۃ، وقال أحمد وإسحاق إن صلاھما فحسن وھذا عندھما علی الاستحباب۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا گنگوہی فرماتے ہیں:” ھذا مما اختلف فیہ علماء نا والصحیح عدم کراھتھا إذا لم یخف فوات التکبیرۃ الأولی من صلاۃ المغرب۔

میلاد کے مسئلہ پر ایک مرتبہ مولانا محمد علی مونگیری کی مولانا رشید احمد گنگوہی سے گفتگو ہوئی اور مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ وہ اس طرح کے میلاد کے خلاف نہیں ہیں جس طرح کا میلاد مولانا لطف اللہ صاحب پڑھتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دیوبند کے حلقہ میں سب سے کثیر التصانیف عالم ہیں، اس حلقہ میں مولانا گنگوہی کے بعد سب سے زیادہ مولانا تھانوی کے فتوؤں کو اعتبار

حاصل ہے، مولانا تھانوی نے مفقود الخبر کی بیوی کو امام مالک کے مسلک کے مطابق چار سال کے بعد شادی کی اجازت دی، اوراسی طرح بعض دیگر مسائل میں بھی غیر حنفی رائے کی موافقت کی، اس کی تفصیلات ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں موجود ہیں۔

''الحلیۃ الناجزہ'' کے شروع میں ان علماء کرام کے نام دئے گئے ہیں جنہوں نے مولانا تھانوی کے فتوی کی تصدیق کی ہے، ان میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی، مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندی، مولانا اسعد اللہ صاحب، قاری محمد طیب صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ شامل ہیں۔

ایک جگہ مولانا تھانوی فرماتے ہیں: ''میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے تو صحیح ہو سکے۔

میں نے احتیاطا اس کے بارے میں حضرت مولانا گنگوہی سے بھی دریافت کیا کہ ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پر فتوی دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے بھی اجازت دے دی، مولانا بہت پختہ حنفی تھے۔

اور یہ توسع معاملات میں کیا گیا دیانات میں نہیں، اس میں کچھ ضرر نہیں، اسی لئے جمعہ فی القری میں ابتلائے عوام کے سبب ایسا توسع نہیں کیا، البتہ حضرت امام شافعی کے قول پر احتیاط ہوتی تو فتوی دے دیتا، مگر احتیاط مذہب حنفی میں ہے، کیونکہ جس مقام کے (مصر) اور (قریہ) ہونے میں اختلاف ہو، اگر وہ (مصر) ہی ہو اور اس میں کوئی ظہر پڑھے تو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، گو کراہت ہوگی اور اگر وہ (قریہ) ہے اور وہاں جمعہ پڑھا تو جمعہ بھی نہ ہوا اور ظہر بھی ساقط نہ ہوگی''۔

اس لئے ایسے مقام میں احتیاط ترک جمعہ میں ہے، دوسرے یہ کہ ابتلاء بھی بدرجہ اضطرار نہیں کیونکہ لوگ چھوڑ سکتے ہیں، اگر جمعہ نہ پڑھا تو کوئی تکلیف نہ ہوگی، بلکہ اور زیادہ

آرام ہوگا، اذان زائد نہیں، خطبہ نہیں۔(۱)

فرمایا: ''دیانات میں تو نہیں لیکن معاملات میں جس میں ابتلاء عام ہوتا ہے، دوسرے امام کے قول پر اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے تو اس پر فتوی رفع حرج کے لئے دیتا ہوں۔(۲) اس لئے مختلف فیہ مسائل میں وسعت دینی چاہئے، اس طرح ایک تو شریعت سے محبت ہوگی، دوسرے آرام رہے گا۔(۳)

مولانا تھانوی مزید فرماتے ہیں: ''اگر امام کی دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہ ہو اور حدیث معارض موجود ہو تو قول امام کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے ''ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام'' میں ہوا ہے کہ امام صاحب نے غیر مسکر کو جائز کہا ہے اور حدیث میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے، یہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں''۔(۴)

مولانا تھانوی جمع بین الصلاتین کے متعلق فرماتے ہیں: ''البتہ ضرورت شدیدہ میں ''تقلیدا للشافعی'' جمع کر لینا مع شرائط مقررہ مذہب شافعی جائز ہے''۔ ''ولا بأس بالتقلید عندالضرورۃ'' درمختار فی بحث الجمع، واللہ اعلم۔(۵)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ

مولانا انور شاہ کشمیری دیوبند کے سب سے بڑے محدث گزرے ہیں، مولانا کی شہرت حنفی مذہب کے دفاع کی حیثیت سے بہت زیادہ ہے، پھر بھی کچھ مسائل میں دوسری رایوں پر فتوی دیا، ایک بار فرمایا: ''میری عادت ہے کہ اولا وہ قول لیتا ہوں جس کی تائید

(۱) تحفۃ العلماء جلد۲ رصفحہ ۱۲۶ ربحوالہ کلمۃ الحق صفحہ ۱۷۔

(۲) تحفۃ العلماء جلد۲ رصفحہ ۱۲۶ ربحوالہ اشرف المعمولات صفحہ ۳۳۔

(۳) تحفۃ العلماء جلد۲ رصفحہ ۱۲۶ ربحوالہ انفاس عیسیٰ جلد۲ رصفحہ ۳۴۴۔

(۴) مسلک سے متعلق ضروری وضاحت ص ۱۷۰۷/ بحوالہ حسن العزیز جلد۴ ر ۳۹۷۔

(۵) امداد الفتاوی جلد۵ رصفحہ ۸۳۔

احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے، اس کے بعد وہ قول لیتا ہوں جو امام طحاوی کا مختار ہو، اور امام طحاوی کو کرخی پر ترجیح دیتا ہوں، اگرچہ امام طحاوی مصر میں اور کرخی بغداد میں رہے ہیں، لیکن حدیث کا علم طحاوی کا بڑھا ہوا ہے، مع تفقہ صحیح کے۔(۱)

مولانا انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں: ''فقہ حنفی کو حدیث کے ذخیرہ سے مدلل ومؤید کرنے کی بات چلی اور اس میں حضرت شاہ صاحب کی کاوشوں کا تذکرہ مفصل آیا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حنفی تعصب میں وہ ہر جا و بے جا اقدام کے لئے تیار رہے، نہیں ایسا نہیں، بلکہ اس باب میں بھی انہوں نے منصفانہ وعادلانہ روش کو اختیار کیا اور جہاں حنفی نقطہ نظر میں انہیں کوئی سقم نظر آیا اس کے بیان کرنے میں تامل نہیں کیا، بلکہ کہیں ایسا بھی ہوا کہ عام حنفی مسلک کے مقابل انہوں نے دوسرے فقہاء کے نقطہ نظر ہی کو ترجیح دی، سری نمازوں میں مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا، اذان میں ترجیع، آمین بالجہر، رفع یدین باستثنائے وقت تکبیر تحریمہ، ان سب مسائل میں فقہ حنفی سے ہٹ کر وہ جواز کے قائل ہیں، البتہ انہیں خلاف اولی قرار دیتے ہیں، اس طرح مختلف روایات میں مرحوم نے تطبیق کی ہے، فرماتے کہ احناف رفع یدین کو بجز تکبیر تحریمہ کے مکروہ تحریمی سمجھتے ہیں اور میں خلاف اولی قرار دیتا ہوں۔(۲)

ظہر وعصر کا وقت

مولانا انظر شاہ فرماتے ہیں: ''ظہر وعصر کے اوقات میں امام اعظم کے چار اقوال ہیں، شاہ صاحب نے ان میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے مثل اول کو ظہر کے لئے اور ثالث کو عصر کے لئے مخصوص کیا، مثل ثانی دونوں میں مشترک مانا۔(۳)

---

(۱) ملفوظات محدث کشمیری ۱۹۵۔

(۲) نقش دوام صفحہ ۳۹۸۔

(۱) نقش دوام ص ۳۹۹۔

نماز کا سلام

مولانا انور شاہ کشمیری نے فرمایا: ''مشہور عند الحنفیۃ یہ ہے کہ دونوں سلام واجب ہیں اور فتح القدیر میں پہلا واجب اور دوسرا سنت ہے اور یہی میرا مختار ہے۔(۱)

سید کے لئے زکاۃ کا لینا

مولانا انور شاہ نے فرمایا: ''میرے نزدیک سید کو زکوۃ کا مال لینا سوال کرنے سے بہتر ہے، اس لئے میں جواز کا فتوی دیتا ہوں''۔(۲)

عورتوں کا بغیر محرم کے سفر کرنا

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ: ''ممانعت سفر بلا محرم کی تمام احادیث عام اسفار حاجات سے متعلق ہیں: سفر حج میں سے ان کا تعلق نہیں ہے، لہٰذا اگر فتنہ کا گمان نہ ہو اور دوسری حج کو جانے والی ثقہ عورتوں کا بھی ساتھ ہونے سے اطمینان ہو تو بغیر محرم کے بھی فریضہ حج ادا کر سکتی ہے، اور دوسرے اسفار میں بھی فتنہ پر مدار ہے۔(۳)

عورت کا چہرہ کھلا رکھنا

مولانا احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں: ''درس بخاری شریف قصہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ صفحہ ۲۰۵ر کے تحت احقر کے استفسار پر فرمایا عورت کا اجنبی مرد کے سامنے کشف وجہ وکفین وقدم جائز ہے بشرطیکہ امن ہو، اور اسی طرح اگر امن ہو تو عورت کو بھی اجنبی مرد کو

(۱) ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۱۰۔

(۲) حوالہ بالا صفحہ ۲۳۶۔

(۳) حوالہ بالا ص ۳۷۱۔

دیکھنا جائز ہے۔(۱)

مولانا انور شاہ نے فرمایا: ”إلا ما ظهر منها“ میں ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ وجہ اور کفین مراد لیتے تھے، چاروں ائمہ بھی چہرہ اور کفین ہی مراد لیتے ہیں، لیکن متأخرین نے بطور احتیاط چہرہ اور ہاتھوں کو بھی مستور رکھنے کا فتوی دیا ہے۔(۲)

مفتی کفایت اللہ صاحب

سوال: حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی اور مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی لکھنوی اور مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور مولانا سید محمد علی خلیفہ ارشد مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ اللہ تعالی اجمعین کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ لوگ کامل مسلمان تھے یا کافر؟۔

اور کیا زید کا یہ قول صحیح ہے کہ جوان کو کافر نہ جانے وہ کافر ہے، اور کیا یہ صحیح ہے کہ بعض خاص عقیدہ یا مضمون یا تصانیف کی وجہ سے ان پر کفر عائد ہوگیا ہے اور وہ ایسا اٹل ہوکر جم گیا ہو کہ کسی طرح کفر اٹھتا نہیں ہے، حالانکہ ان لوگوں نے ”التصدیقات لدفع التلبیسات“ ایک کتاب ان الزامات کے جواب میں لکھ کر علماء ہندوعرب وشام وغیرہ سے دستخط وتصدیق کراکر شائع کی ہے، لیکن اس پر بھی کفران پر عائد کیا جاتا ہے، آیا یہ تکفیر زیادتی وتعدی ہے یا نہیں؟۔

نیز مسلمانوں کو ایسی مساجد میں جانا اور وہاں نمازیں پڑھنا درست ہے؟ جہاں علمائے دین اہل حق وبزرگان دین کو علی العموم برا بھلا کہا جاتا ہو اور ان کی تکفیر وتضلیل کی جاتی ہو

(۱) ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۳۴۔

(۲) نقش دوام ص ۲۳۴۔

اور پکے مسلمانوں کو کان پکڑ کر نکالا جاتا ہو اور لوگوں کو فساد پر آمادہ کیا جاتا ہو؟ بینوا توجروا۔

جواب: یہ حضرات علماء کرام اعلی درجے کے مسلمان اور پکے دیندار تھے، جو شخص ان کو کافر کہے وہ بہت بڑا ظالم اور ایمان کا دشمن ہے، ان لوگوں کی کسی تصنیف اور کسی مضمون میں کوئی ایسا فقرہ یا لفظ نہیں جس کی وجہ سے نعوذ باللہ من ذلک ان کی طرف کفر کی نسبت کی جائے، ان لوگوں کی جتنی تصانیف ہیں بہت کار آمد مفید اور رد بدعت کے لئے نہایت عمدہ ذخیرہ ہیں، ہر مسلمان کو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، یہ لوگ سنت نبوی واحکام شرعیہ کے پابند اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم بقدم چلتے تھے، ان کو سب وشتم کرنا گویا احکام شرعیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنا اوپر معلوم ہو چکا کیسا ہے۔

جو لوگ ان حضرات علماء کرام کو کافر بتائیں، ان کو اپنی مجلسوں اور محفلوں میں شریک نہیں کرنا چاہئے اور نہ خود ان کی محفلوں میں شرکت کرنا چاہئے، تاکہ ان کے برے اور فاسد عقیدے مسلمانوں میں سرایت نہ کریں۔

جیسا کہ پہلے سوال کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ آج کل مبتدعین کی اصطلاح میں متبعین سنت کو (عداوۃ) وہابی کہا جاتا ہے، تو ایسے وہابیوں یعنی ان لوگوں کو جو سنت نبویؐ پر عمل کرتے ہیں مسجد میں آنے سے روکنا سخت ظلم اور گناہ ہے، بلکہ روکنے والے مبتدعین خود اس کے مستحق ہیں کہ ان کو مسجدوں سے روکا جائے، ان کو یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وہ کسی مسلمان کو اتباع سنت کی وجہ سے مسجد میں آنے سے روکیں، مسجدیں ان کی مملوک تو نہیں ہیں کہ جس کو چاہیں آنے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔

جس جگہ اور جس وعظ کی شرکت سے فساد عقیدہ اور فساد بین المسلمین ہوتا ہو اس میں شرکت کرنا اور وہاں جانا کسی مسلمان کو جائز نہیں، خواہ وہ جگہ مسجد ہو یا اور کوئی جگہ ہو، اس میں شک نہیں کہ فی نفسہٖ مسجد بہت اچھی جگہ ہے، لیکن جب کہ وہاں فساد عقیدہ اور فساد بین

المسلمین ہوتا ہوتو یہ مسجد ہونے کی جہت سے بلکہ ان مفسد لوگوں کے اثر بد سے بچنے کے لئے وہاں نہ جانا لازم ہے، واللہ اعلم۔(۱)

سوال: اہل حدیث جن کو ہم لوگ غیر مقلد بھی کہتے ہیں، مسلمان ہیں یا نہیں؟ اور وہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟، اور ان سے نکاح شادی کا معاملہ درست ہے یا نہیں؟۔

جواب: ہاں! اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں، ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے، محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعت سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے۔(۲)

مندرجہ بالا حوالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مذہب کی حیثیت رائے کی ہے اور مجتہدین کے اختلاف کا درجہ نصوص قرآن وسنت کا نہیں ہے، اگر مجتہد صواب پر ہے تو اسے دو اجر ملیں گے۔

اور اگر اس نے غلطی کی ہے تو اسے ایک اجر ملے گا، کسی کے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں کہ مسئلہ میں فلاں مجتہد کی رائے صحیح ہے اور دوسروں کی غلط، عام طور سے علماء غلبہ ظن کی بنیاد پر ایک رائے کو دوسری رائے کے مقابل راجح قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی تشدد کے روادار نہیں ہوتے۔

استاذ محترم حضرت شیخ یونس رحمہ اللہ علیہ سلف صالحین، ائمہ سابقین وعلمائے راسخین کے اسی طریقہ پر کاربند تھے اور یہی راستہ علم وتحقیق کا ہے اور اسی میں امت کے اتفاق واتحاد کی ضمانت ہے۔

---

(۱) کفایۃ المفتی جلد ۲۴۶۔

(۲) حوالہ بالا جلد ا/ صفحہ ۳۳۳۔

فصل چھارم

شیخ یونس اور حدیث شریف

حدیث شریف چمن اسلامی میں شجر حیات ہے، یہ سنت نبویہ کا خزانہ ہے، جس کے بغیر نہ کتاب الٰہی کو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ دین پر چلنا ممکن ہے، اس علم نے شروع کے دوسو سال میں جو ترقی کی اس کی نظیر کسی اور علم وفن کی تاریخ میں ناپید ہے۔

برصغیر اور علم حدیث

پہلی صدی ہی سے برصغیر علم حدیث سے روشناس ہوا اور اس وقت سے ہر دور میں یہاں محدثین کی ایک جماعت حدیث کی نشر واشاعت میں مشغول رہی ہے، تاہم برصغیر اس وقت عالمی سطح پر علم حدیث کے مرکز کی حیثیت سے نمایاں ہوا، جب حجاز سے واپس ہوکر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مدرسہ رحیمیہ میں ایک نئی روح پھونکی، حدیث کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی اور اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں تصنیف کیں۔

شاہ صاحب کے صاحبزادوں اور شاگردوں خاص طور سے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس روایت کو جاری رکھا اور اسے مزید وسعت عطا کی، ان کے بعد کتب حدیث کی تدریس اور حدیث کے مختلف موضوعات پر تصنیف کے میدان میں نمایاں اعلام شاہ محمد اسحاق دہلوی، شاہ محمد یعقوب دہلوی، شاہ عبدالغنی محدث دہلوی، شیخ عبدالقیوم بدھانوی، علامہ عبدالحئ فرنگی محلّی، نواب صدیق حسن خان، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ نذیر حسین محدث دہلوی، علامہ محدث حسین

بن محسن انصاری، علامہ عبدالحئ حسنی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ حیدر حسن خان ٹونکی، شاہ حلیم عطاء اور مولانا عبدالرشید نعمانی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

حدیث سے حضرت شیخ کا شغف

حضرت شیخ اس مبارک سلسلہ کی آخری کڑی ہیں، آپ کو حدیث شریف سے غیر معمولی شغف تھا، آپ نے پچاس سال بخاری شریف پڑھائی، ۳۵ رمرتبہ مسلم شریف، بقیہ کتب دورۂ حدیث بھی دو دو تین بار پڑھائیں، حرمین شریفین ، انگلینڈ، افریقہ اور دوسرے ممالک میں آپ سے حدیث کی کتنی کتابوں کا سماع کیا گیا، علم حدیث میں آپ کا انہماک اسلاف کی شغف علمی کی یاد تازہ کرتا تھا، اور آخری دور میں علم حدیث میں ہندوستان سے باہر آپ کی نظیر نہیں تھی۔

وسعت مطالعہ وتفکر وتدبر

آپ نے حدیث کے مطالعہ میں غور وفکر کی روایت زندہ کی، سوچنے کی عادت ڈالی، اس موضوع کی متداول وغیر متداول کتابوں کے مطالعہ وتحقیق کی وجہ سے آپ کو فن حدیث سے خاص مناسبت پیدا ہوگئی، آپ نے بحث وتحقیق اور تدبر وتفکر کو اپنا معمول بنا لیا، یہاں تک کہ آپ کا انداز ائمہ فن کا انداز ہوگیا۔

مہارت تامہ

حدیث کے موضوع پر کلام اور گفتگو میں آپ کو اس فن کے ماہرین سے گہری مناسبت تھی، عام طور سے تقلیداً کوئی بات کہنے یا لکھنے سے اجتناب کرتے تھے، ہر امر کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش آپ کا طریقہ بن گیا تھا اور اس علم میں آپ مہارت تامہ کے مقام عظیم پر فائز تھے، فرماتے تھے کہ میں کہہ نہیں سکتا کہ میرا حدیث شریف سے کتنا گہرا اور مضبوط رشتہ ہے۔

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی آپ کے متعلق فرماتے ہیں: ’’حضرت مولانا کا جو سب سے نمایاں وصف اور اس عہد کا سب سے بڑا اعزاز تھا وہ خدمت حدیث نبوی شریف اور اس کے تمام باغوں، چمنستانوں، وادیوں اور صحراؤں پر قدیم اہل نظر کی طرح نظر اور علم کی ہر وادی پر ماہرانہ عبور اور اس کے تمام صحیح وضعیف کی محققانہ خبر تھی، خصوصاً حدیث شریف کی بے نظیر واقفیت، اس کے تمام رجال ومتعلقات، حدیث کے تمام طرق وابواب اوران کے جملہ شارحین ومحققین کی اطلاعات وتعبیرات پر استحضار اور حدیث شریف کی تعلیم وتفہیم وتشریح اور روایت ودرایت کے تمام عناوین ومرحلوں کو عبور کرتی ہوئی ایسی نظر جو ہر ایک عنوان پر اضافہ او رہر ایک خبر واطلاع کا تجزیہ اور موازنہ کرسکے، تفصیلات میں نہ جاکر یہاں صرف یہی کہہ دنیا کافی اور مناسب ہے کہ حضرت مولانا اپنے دور اور اس عہد میں حدیث شریف کی متبحرانہ واقفیت اور شناوری میں فرد فرید تھے۔(۱)

حدیث کو فقہ کا تابع نہ بنانا

متأخرین کا ایک عیب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے مسلک کو اصل بنالیا، اور پھر زبردستی حدیث کو اس کے تابع کرنے کی کوشش کی، حضرت شیخ نہ یہ کہ ان سے مختلف تھے بلکہ اس طریقہ کی مخالفت پر زور دیتے تھے اور اسے علم حدیث کی راہ میں مضر سمجھتے تھے، ایک دفعہ فرمایا: ’’حدیث برائے حدیث پڑھو، اس سے علم آئے گا، حدیث برائے مذہب پڑھنے سے کیا حاصل، اس سے کیا علم آئے گا۔(۲)

افادات وتحقیقات

علم حدیث میں آپ کے افادات وتحقیقات ’’الیواقیت الغالیہ‘‘ کے نام سے شائع

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۵۵۔ (۲) حوالہ بالا صفحہ ۶۴۔

ہو چکے ہیں، جو چار جلدوں میں ہیں، یہ احادیث نبویہ کے متعلق اہل علم کے سوالات پر آپ کے مدللانہ جوابات اور آپ کی عالمانہ اور محققانہ تحریروں کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے شاگرد جلیل مولانا محمد ایوب سورتی مقیم انگلینڈ نے ''مجلس دعوۃ الحق''، لیسٹر، برطانیہ سے بڑے اہتمام سے شائع فرمایا ہے۔

عصر حاضر میں ایسی نادر علمی تحقیقات کا وجود کسی عجوبہ سے کم نہیں، آخری عہد کے جن علماء کی محدثانہ تحقیقات نے علمی حلقوں کو سب سے زیادہ متأثر کیا ہے وہ علامہ عبدالحئی فرنگی محلّی، نواب صدیق حسن خان، مولانا انور شاہ کشمیری، علامہ محمد زاہد الکوثری اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ہیں اور انصاف یہ ہے کہ محدثانہ اصول کی روشنی میں استاد محترم کے علمی جوابات بسا اوقات ان حضرات کی تحریروں سے فائق ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے علم حدیث سے متعلق ماضی وحال کی تصنیفات کا بدقت نظر مطالعہ کیا ہے اور جو کچھ پڑھا ہے اس کا گہرا تجزیہ کیا ہے، اس پر مزید یہ کہ انصاف واعتدال اور توازن کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مولانا محمد ناظم ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''سوالات روایت کی سند سے بھی متعلق ہیں، متن سے بھی، حدیث کے الفاظ کی تحقیق سے بھی متعلق ہیں، اور تخریج سے بھی، روایات کے ثقہ وعدم ثقہ ہونے کے متعلق بھی ہیں اور احادیث کے مفاہیم ومعانی اور تطبیق سے بھی، شخصیات کے متعلق بھی سوالات ہیں اور دیگر علوم وفنون کے بارے میں بھی، آپ نے ان سب کا جواب حدیث کی روشنی میں دیا ہے اور ان راویوں پر بھی بھرپور تبصرہ کیا ہے، وہ جوابات یقیناً محققین اور خصوصاً علم حدیث پر کام کرنے والوں کے لئے بیش قیمت تحفہ ہیں۔(۱)

---

(۱) الیواقیت جلد ۱ رصفحہ ۱۵۔

محدثانہ تحقیق کے بعض نمونے

ذیل میں آپ کی محدثانہ تحقیقات کے بعض نمونے پیش کئے جارہے ہیں، جن سے آپ کے مقام بحث وتحقیق کا کچھ اندازہ ہوسکے گا۔

سفیان سے کون مراد ہیں؟

سنن ترمذی کے باب ماجاءأن مفتاح الصلاۃ الطہور میں ہے: حدثنا هناد وقتيبة ومحمود بن غيلان، قالوا: أنا وكيع عن سفيان، وحدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبدالرحمن، حدثنا سفيان عن عبدالله بن محمدبن عقيل عن محمد ابن الحنيفة، عن علی، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: مفتاح الصلاة الطهور" کی سند میں سفیان سے سفیان ثوری مراد ہیں، یا سفیان ابن عیینہ؟۔

اس سوال کا محققانہ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صاحب غایۃ المقصود علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں:" هل هوالثوری أو ابن عيينة؟ لم أقف على تعيينه" اورشارح ترمذی علامہ سراج احمد سرہندی نے عجیب وغریب بات کہی، پہلی سندعن وکیع عن سفیان پرفرماتے ہیں: هوابن سعيد بن مسروق الثوری "اوردوسری سند میں عن عبدالرحمٰن بن مہدی عن سفیان پرفرماتے ہیں:"هوابن عيينه ابی عمران الهلالی" یہ تو محدثانہ حیثیت سے وہم ہے، اس لئے کہ سفیان ملتقی السندین ہیں اور ایسا شخص ایک ہی ہوا کرتا ہے، اس لئے یا تو ابن عیینہ ہوں گے یا ثوری۔

علامہ ابن رسلان کی رائے ہے کہ ابن عیینہ ہیں اور صاحب المنہل صفحہ ۲۱۲ر پر فرماتے ہیں:"هوالثوری كما فی التهذيب"۔

بندہ کے نزدیک محقق یہی ہے کہ اس حدیث کے راوی سفیان بن سعیدالثوری ہیں اور

اس کی دو دلیلیں ہیں جن کو میں قدرے تفصیل سے لکھتا ہوں:

الدلیل الاول: اس حدیث کو سفیان سے روایت کرنے والے بندہ کے تتبع و تلاش میں دس راوی ہیں:

۱- وکیع بن الجراح۔
۲- عبدالرحمٰن بن مہدی۔
۳- محمد بن یوسف الفریابی۔
۴- محمد بن کثیر العبدی۔
۵- ابوحذیفہ موسی بن مسعود النہد ی۔
۶- زید بن الحباب۔
۷- عبیداللہ بن موسی العبسی ۔
۸- یزید بن ابی حکیم۔
۹- سعید بن سالم۔
۱۰- ابونعیم الفضل بن دکین۔

ان حضرات کی حدیثوں کی تخر یج کے بعد فرماتے ہیں: وکیع بن الجرح اور عبدالرحمٰن بن مہدی اگر چہ سفیان (بن عیینہ) سے روایت کرتے ہیں، کما ہو معلوم من کتب الرجال، لیکن دونوں ثوری کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں، کما ہو ظاہر من ترجمتہما'' اور یہ اصولی قاعدہ ہے کہ اگر راوی دو یا دو سے زائد مشائخ متفقہ الاسماء سے روایت کرتا ہو اور پھر کہیں کسی روایت میں ابہام کرے یعنی نسبت یا نسب کا تذکرہ نہ کرے تو وہ استاد مراد ہوگا جس سے راوی کا خاص تعلق ہے، اسی بنا پر شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد بذل المجہو دصفحہ ۳۸ ر میں ثوری ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو فن حدیث و رجال کا امام ہے اور آج اس کی بات عام طور

پر حرف اخیر سمجھی جاتی ہے بعینہٖ اسی قسم کی سند میں اسی قاعدہ پر عمل فرمایا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں: حدثنا ابن سلام، أنا وكيع عن سفيان، قال الحافظ، هو الثورى لأن وكيعا مشهور بالرواية عنه، وقال أبو مسعود الدمشقى فى الأطراف، ويقال إنه ابن عيينة، قال الحافظ: لو كان ابن عيينة لنسبه، لأن القاعده فى كل من روى عن متفقى الإسم أن يحمل من أهمل نسبته على من يكون له به خصوصية من إكثار ونحوه، وهكذا نقول هنا لأن وكيعا قليل الرواية عن ابن عيينة بخلاف الثورى انتهى۔

قلت: وهذه القاعدة جارية فى مسألتنا هذه سواء بسواء.

یہی حال عبدالرحمٰن بن مہدی کا ہے کہ ثوری کے مخصوص تلامذہ میں ہیں، بلکہ حافظ نے امام احمد سے نقل فرمایا ہے: الغالب علیہ حدیث سفیان، اور یہاں تک تعلق ہے کہ ثوری کی وفات بھی انہیں کے گھر میں ہوئی، کماحکاہ الحافظ عن الخلیلی ۔

ان کے علاوہ باقی آٹھوں کا بھی یہی حال ہے کہ ثوری سے ان کا اختصاص ہے، بلکہ امام بخاری نے زہیر بن الحباب، یزید بن ابی حکیم، ابوحذیفہ النہدی، محمد بن کثیر وغیرہ کے تراجم میں مشائخ میں صرف ثوری کا ذکر کیا ہے، ابن عیینہ کا نہیں، اسی طرح مزی نے ''تہذیب الکمال'' میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں مذکورین کے علاوہ فریابی، عبیداللہ بن موسیٰ وغیرہ کے تذکرے میں بھی صرف ثوری کو مشائخ میں لکھا ہے، اس سے کم ازکم یہ بات تو صاف اور واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ان کا ثوری سے جو خاص تعلق ہے وہ ابن عیینہ سے نہیں، قال ابن خیثمہ: " سئل ابن معين عن أصحاب الثورى أيهم اثبت ؟ فقال: هم خمسة : القطان ووكيع وابن المبارك وابن مهدى وأبو نعيم، وأما الفريابى وأبو حذيفه وقبيصة وعبيدالله بن موسى وأبو أحمد الزبيرى وعبدالرزاق وأبوعاصم والطبقة منهم كلهم فى سفيان بعضهم

قریب من بعض، وهم ثقات کلهم دون أولئك فی الضبط والمعرفة ، انتھی“۔

جب یہ چیز ثابت ہوگئی کہ سفیان کہنے والے ثوری کے مخصوص اصحاب وتلامذہ ہیں تو صاف واضح ہے کہ وہ اپنے استاد ہی کو اس طور پر ذکر کریں گے، اس لئے کہ وہی ان کے نزدیک اس قدر مرکوز فی الذہن ہیں کہ مطلقاً بول کر فوراً ذہن میں آ جاتے ہیں، جیسے علقمہ یا اسود یا ابراہیم نخعی جب عبداللہ کہیں تو عبداللہ بن مسعود ہی مراد ہوتے ہیں، اور جب نافع یا سالم قال عبداللہ کہیں تو ابن عمر مراد ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان حضرات کا الگ الگ ان سے خاص تعلق ہے، ایسے ہی یہاں پر بھی مراد ہوگا، اس کے بعد مستقل دلیل قائم کرنے کی ضرورت تو نہیں رہی ہے لیکن تحقیق وتثبیت کے لئے دوسری دلیل ذکر کرتا ہوں، جس سے انشاء اللہ العزیز اشکال بالکل ختم ہو جائے گا۔

الدلیل الثانی: اس حدیث کے متعدد طرق میں تصریح واقع ہے کہ راوی الحدیث ثوری ہیں:

۱- کتاب الام جلد ۱/صفحہ ۸۷/میں ہے: ”أخبرنا الربیع ، قال : أخبرنا الشافعی، قال: أخبرنا سعید بن سالم عن سفیان بن سعید الثوری عن عبداللّٰہ بن محمد بن عقیل عن محمد بن الحنیفة عن أبیه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: مفتاح الصلاة الوضوء وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم، وهکذا رواه الشافعی فی کتابه(اختلاف علي وابن مسعود) ولفظه قال الشافعی: أخبرنا سعید بن سالم عن سفیان الثوری الخ“۔

۲- امام بیہقی اس حدیث کی سند ذکر کرتے ہیں اور پھر حدیث کی سند میں واقع ہوا ہے، عن محمد بن کثیر عن الثوری۔

۳- علامہ عینی کے نسخہ طحاوی میں ہے:”حدثنا الحسین بن نصر قال حدثنا الفریابی قال:حدثنا سفیان الثوری عن عبداللّٰہ بن محمد بن عقیل الخ“۔

۴- امام بن دقیق العید کتاب الامام میں فرماتے ہیں:”ورواه الطبرانی ثم البیهقی

من جهة أبی نعیم عن سفیان الثوری عن عبداللّٰہ بن محمد بن عقیل الخ“۔

۵-قال الخطیب جلد۱۰/صفحہ۱۹۶پرفرماتے ہیں:” أخبرنا أبو الحسین محمد بن المظفر الدقاق، اخبرنا علي بن عمر السکری ، قال: حدثنا عبداللّٰہ بن أبی فروۃ ، حدثنا یزید بن محمد بن سنان الرھاوی، حدثنا أبوعثمان سعید بن عبدالرحمن الحرانی، حدثنا مخلد بن یزید القرشی الحرانی أبوبکر، حدثنا سفیان بن سعید الثوری عن عبداللّٰہ بن محمد بن عقیل بن أبی طالب عن محمد بن الحنیفة عن ابیه علي بن أبی طالب رفعه إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ”مفتاح الصلاۃ الطهور وتحریمها وتحلیلها التسلیم“۔

ان تصریحات کے بعد ابن عیینہ ہونے کا احتمال ’’ہباء منشورا‘‘ ہوگیا اور حق صراحۃ ثابت ہوگیا:”ولاینکر ہ من کان الحدیث النبوی فنه وللّٰہ الحمدو المنة“۔(۱)

مشکوۃ میں سمعت ابیا ہے یا سمعت ابی؟

ایک سوال آیا کہ مشکوۃ شریف صفحہ ۱۱۵/ پر ایک روایت عن عبداللہ بن ابی بکر قال : ”قال سمعت أبیا یقول، کنا ننصرف فی رمضان من القیام فنستعجل الخدم بالطعام مخافة فوت السحور وفی أخری مخافة الفجر“ ہے، مشکوۃ شریف میں اس کی تخریج موطا سے کی گئی ہے مگر موطا صفحہ ۱۴۱/ میں سمعت أبي واقعہ ہوا ہے، جواب میں تحریر فرمایا: عن عبداللہ بن ابی بکر قال: ابیاً ، اسی طرح مشکوۃ شریف کے قدیم وجدید نسخوں میں ہے اور شارحین مشکوۃ جیسے صاحب مرقاۃ جلد ۱/صفحہ ۱۷۵، مظاہر حق اور اشعۃ اللمعات جلد ۱/صفحہ ۵۴۸/ نے بھی اسی طرح ذکر فرمایا ہے اور تنقیح الرواۃ میں بھی اسی طرح ہے۔

اور یہ غلط ہے اس لئے کہ راوی اثر عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری ہیں

(۱)الیواقیت الغالیہ جلد ۱/صفحہ ۵۴ تا ۵۷۔

اوران کی ملاقات حضرت ابی بن کعب سے ثابت نہیں ہے، اس لئے کہ صاحب مشکوۃ کے بیان کے مطابق عبداللہ بن ابی بکر بن حزم کی وفات سن ۱۳۵ ہجری میں ہوئی ہے، جب کہ ان کی عمر ستر سال کی تھی، اس لحاظ سے ان کی پیدائش سنہ ۶۵ رہجری میں ہوئی ہے، اور حضرت ابی بن کعب کی وفات صاحب مشکوۃ وغیرہ کے بیان پر سن ۱۹ ہجری میں ہوئی ہے، اس لحاظ سے عبداللہ بن ابی بکر کی ولادت اور ابی بن کعب کی وفات میں چھیالیس سال کا فصل ہے اور ایک قول ابی بن کعب کی وفات میں سنہ ۳۲ ہجری کا ہے، تو اٹھائیس سال کا فرق ہوا اور انقطاع کا احتمال بھی نہیں ہے، اس لئے کہ عبداللہ بن ابی بکر نے سماع کی تصریح کی ہے۔

غالباً اسی خلجان کو دیکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''اشعۃ اللمعات'' میں عبداللہ کو ابن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قرار دیا ہے، مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ امام مالک یہ روایت عبداللہ بن ابی بکر سے بلا واسطہ نقل کرتے ہیں اور عبداللہ بن ابی بکر صدیق کی وفات خلافت صدیقی میں شوال سنہ ۱۱ رہجری میں ہوئی ہے اور اس وقت تک امام مالک کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی، اس لئے کہ ان کی ولادت میں ۹۰ / ۹۳ / ۹۴ / اور ۹۵ رہجری مختلف اقوال ہیں، ان میں سے مشہور قول ۹۳ رکا ہے، اسی کو حافظ ذہبی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، اس لحاظ سے امام مالک کی ولادیت اور عبداللہ بن ابی بکر الصدیق کی وفات میں ۸۲ رسال کا فاصلہ ہے اور امام مالک مدلس بھی نہیں ہیں، تا کہ یہ احتمال قائم کیا جا سکے کہ شاید کسی اور سے سنا ہوگا اور تدلیس کی اور عبداللہ بن ابی بکر صدیق سے معنعناً روایت کر لی۔

اس لئے صحیح عبداللہ بن ابی بکر انہ قال سمعت ابی ہے، جیسا کہ موطا امام مالک کے تمام نسخوں میں ہے، اسی طرح امام بغوی نے شرح السنۃ جلد ۴ رصفحہ ۱۵۲ رمیں اور بیہقی نے سنن کبری جلد ۲ رصفحہ ۴۹۷ رمیں امام مالک کی سند سے روایت فرمایا اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

روی مالک عن عبداللہ بن ابی بکر عن ابیہ قال: صرف الخ، اور لمعات کے ناصیہ پر مشکوۃ کا جو نسخہ چھپا ہے اس میں موطا کے موافق سمعت ابی ہے، معلوم نہیں طابع کو کسی نسخہ میں اسی

طرح ملا، یا ان کی اپنی تصحیح ہے، بہر حال فی نفسہ عن عبداللہ بن ابی بکر قال سمعت ابی ہی صحیح ہے، اور راوی حدیث عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری ہیں، اپنے والد ابو بکر بن حزم سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

اذان کی دعا میں ''الدرجۃ الرفیعۃ'' کا اضافہ

صحیح بخاری وغیرہ میں اذان کی جو دعا وارد ہے اس میں ''الدرجۃ الرفیعۃ'' نہیں ہے، آپ کے پاس سوال آیا کہ کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی میں باب کیف دعاء الوسیلۃ میں یہ اضافہ موجود ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے لکھا:

ہمارے علاقوں میں دو زیادتیاں رائج ہیں، ایک ''الدرجۃ الرفیعۃ'' دوسرے ''وارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ''۔

آیا یہ دونوں ثابت ہیں یا نہیں؟ زیادتی اول ابن السنی کی عمل ''الیوم واللیلۃ'' کے مطبوعہ نسخوں میں پائی جاتی ہے، مگر بندہ کے خیال میں یہ زیادتی صحیح نہیں، کسی کاتب وغیرہ نے حاشیہ وغیرہ پر لکھ دیا ہوگا، بعد میں متن کتاب میں آ گیا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ حافظ ابن السنی نے یہ حدیث امام نسائی کی سند سے نقل کی جو انہوں نے مجتبیٰ میں ذکر کی ہے اور نسائی میں اس زیادتی کا کوئی وجود نہیں۔

امام نسائی فرماتے ہیں:"أخبرنا عمرو بن منصور، حدثنا علي بن عیاش، حدثنا شعیب عن محمد بن المنکدر، عن جابر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم: من قال: الحدیث، ابن السنی فرماتے ہیں:" حدثنا أبو عبدالرحمن، قال: أخبرنا عمرو بن منصور، فذکر إسناد النسائی۔

اب ''الدرجۃ الرفیعۃ'' کی زیادتی یا تو ابن السنی نے کی ہے یا کسی اور نے، ظاہر ہے

(۱) الیواقیت الغالیۃ جلد ۱/ ۳۵۷ تا ۳۵۹۔

کہ اگر ابن السنی یہ زیادتی کریں گے تو حافظ نسائی سے لیں گے، اس لئے کہ یہ حدیث انہیں کی سند سے نقل کر رہے ہیں، لہٰذا یہ زیادتی امام نسائی کے پاس ہوگی، حالانکہ اگر یہ زیادتی امام نسائی کے پاس اس سند صحیح کے ساتھ ہوتی تو وہ اپنی سنن میں ضرور ذکر فرماتے، جیسا کہ وہ الفاظ زائد پر نوع آخر وغیرہ کہہ کر تنبیہ فرماتے ہیں، اس لئے بندہ کی رائے میں یہ زیادتی کسی اور نے کی ہے۔

دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت امام نووی نے کتاب الاذکار میں اس زیادتی پر تنبیہ نہیں کی، حالانکہ امام نووی کتاب ابن السنی سے وہ احادیث والفاظ لیتے ہیں، جو دوسری کتب حدیث میں نہ ہوں، نیز شراح بخاری میں سے کسی نے بھی اس زیادتی پر تنبیہ نہیں کی، حتی کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ حافظ ابن حجر کے سامنے کتاب ابن السنی ہے، نہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زیادتی اپنی کتابوں میں نقل فرمائی، حافظ سیوطی نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام ''الکلم الطیب والقول المختار فی الماثور من الدعوات والاذکار'' ہے، نام سے مضمون کتاب واضح ہے، اس میں امام سیوطی نے ادعیہ کو بھی ذکر فرمایا ہے اور جو الفاظ زائد وارد ہوئے ہیں ان کو بھی ذکر فرمایا ہے، مگر الدرجۃ الرفعیۃ کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ کتاب ابن السنی وغیرہ ان کے سامنے ہے جیسا کہ مقدمہ میں ظاہر کیا ہے۔

لہٰذا یہ زیادتی میرے خیال میں کسی کاتب کی غلطی سے متن کتاب میں آ گئی، اس کا کتب حدیث میں کہیں وجود نہیں ہے، حافظ شمس الدین سخاوی ''المقاصد الحسنۃ'' میں لکھتے ہیں: ''لم أره فی شئ من الروایات، انتھی''۔

حافظ سخاوی کا یہ مقولہ علامہ قسطلانی نے مواہب میں، ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں، علامہ زبیدی نے اتحاف السادۃ میں، علامہ عبدالحئ لکھنوی نے حاشیہ الحصن میں اور دوسرے علماء نے دوسری کتابوں میں ''کالشہاب الخفاجی فی نسیم الریاض'' جلد ۲/ صفحہ

۳۶۶ر میں بلانکیر نقل فرمایا ہے۔

بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے بھی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، التلخیص الحبیر صفحہ ۷۸ر میں رقم طراز ہیں:" وليس فی شئ من طرقه ذكر الدرجة الرفيعة، انتهى، وكذا قال الشيخ ابن حجر المكی فی تحفة المحتاج جلد ۱/ ۱۲۸، وقد ذكرت هذه الزيادة فی فتاوی ابن تيمية المطبوعة بالرياض صفحه ۱۹۲/ معزيا إلى البخاری و كأنه خطأ من الكاتب۔

البتہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب جلد۶ر صفحہ ۳۵۲، میں اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں:" لكن عند ابن ابی عاصم بسند فيه المسعودی وهو ثقة، اللّٰهم صل علی محمد وأبلغه الدرجة والوسلية فی الجنة، قال الزرقانی فقد ورد بمعناها والله اعلم۔

اس سے اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ یہ زیادتی کتاب ابن السنی میں نہیں ہے، ہمارے خیال میں حافظ ابن حجر وحافظ سخاوی وغیرہما نے"الدرجۃ الرفیعۃ" کے ثبوت کا انکار کیا ہے، اور یہ کسی روایت میں ثابت نہیں رہ گیا۔(۱)

سترۃ الامام کے متعلق ایک حوالہ کی تحقیق

آپ کے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ نے استفساراً آپ کے پاس لکھا:"الأبواب والتراجم" ٹائپ والی کے صفحہ ۳۲ر پر سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ کے متعلق یہ لکھا ہے: للاوسط بضعف، یہ عبارت میری تو نہیں ہوسکتی، کہیں سے نقل کی ہے، فتح الباری قسطلانی میں تلاش کرلی، کہیں یہ عبارت نہیں ملی، آپ کے ذہن میں ہو یا علم میں تو تحریر فرمادیں، آپ نے جواب دیا، بظاہر یہ عبارت جمع الفوائد کی ہے، اس کے بعد کتب

(۱) الیواقیت الغالیۃ جلد۱ر صفحہ ۱۵۶۔

خانہ سے جمع الفوائد منگوا کر دیکھی تو خیال ٹھیک تھا، ولفظہ صفحہ ۸۶/انس رفعہ، سترۃ الإمام سترۃ من خلفہ للأوسط بضعف‘‘۔(۱)

صلاۃ الاوابین

صلاۃ الاوابین کے متعلق تین اقوال:’’صلاۃ الضحیٰ ، نوافل فیما بین العشاء ین رکعتان قبل الظھر‘‘ کی محدثانہ وعالمانہ تحقیق کے آخر میں فرماتے ہیں: ہمارے فقہاء نے عامۃ اوابین کے مصداق میں رکعات ستہ بعد المغرب ہی کا ذکر فرمایا ہے، مگر روایات کے پیش نظر صلاۃ الضحیٰ کا اوابین ہونا راجح معلوم ہوتا ہے، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ساری ہی نمازیں صلاۃ الاوابین کا مصداق ہوں، اس لئے کہ اواب صیغہ مبالغہ ہے، اوب سے مشتق ہے، جس کے معنی رجوع کرنے کے آتے ہیں اور یہ معنی تینوں ہی نمازوں پر صادق آتے ہیں۔

صلاۃ الضحیٰ پر تو اس لئے کہ یہ وقت لوگوں کا اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کا وقت ہے، لیکن اوابین یعنی ’’راجعین إلی اللہ تعالی بالتوبۃ والإنابۃ‘‘ اس وقت اللہ تعالی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اس کی طاعت وعبادت میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

اور ’’رکعات فیما بین العشائین‘‘ پر اس لئے کہ یہ راحت وآرام اور کھانے پینے کا وقت ہوتا ہے، اس وقت اللہ تعالی کے خاص بندے اس کی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

یہی بات تقریباً ’’رکعتین قبل الظھر‘‘ میں بھی پائی جاتی ہے، اس لئے کہ وہ وقت قیلولہ اور استراحت کا ہوتا ہے، اس وقت اللہ تعالی کے مخلص بندے اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، واللہ اعلم۔

قول رابع: ان سب کے لکھنے کے بعد ایک چوتھا قول بھی معلوم ہوا وہ یہ کہ صلاۃ

(۱) الیواقیت الغالیۃ جلد ۱/صفحہ ۲۴۶۔

الاوابین ''رکعتان عند دخول البیت وعند الخروج منہ'' کو کہتے ہیں۔(۱)

جن صحابی سے ملاقات پر تابعیت کا ثبوت

ایک سوال کہ جن صحابی سے ملاقات سے کیا کوئی تابعی شمار ہوسکتا ہے، اس کے جواب میں دلائل ذکر کرنے کے بعد اور یہ واضح کرنے کے بعد کہ جنات بکثرت دروغ گوئی کرتے ہیں، اور ہمارے پاس ان کے صدق وکذب کا کوئی قطعی قرینہ نہیں، فرماتے ہیں: ''لیکن قرن صحابہ گزر جانے کے بعد کسی جن صحابی کے دیکھنے سے بر تقدیر صحت میری ناقص رائے میں تابعیت کا شرف حاصل نہ ہوگا۔(۲)

عروہ بن زبیر سے زہری کا سماع

''تہذیب التہذیب'' سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زہری کا عروہ بن الزبیر سے سماع نہیں، اس کے جواب میں سیر حاصل محدثانہ گفتگو سے ثابت کیا کہ زہری عروہ بن الزبیر کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں، مزید یہ ہے کہ تہذیب التہذیب میں سقوط واقع ہوا ہے، اصل عبارت کی تقریباً نصف سطر چھوٹ گئی اور '' لکن لایثبت لہ السماع من عروۃ'' سے یہ سمجھ میں آنے لگا کہ زہری کے عروہ سے سننے کا حافظ انکار کرتے ہیں، حالانکہ اصل ماخذ جہاں سے حافظ نے یہ کلام لیا ہے، یعنی کتاب المراسیل لابن ابی حاتم'' اس کے الفاظ یوں ہیں: ''الزهری لم يسمع من أبان شيئا لأنه لم يدركه، قد أدركه وأدرك من هو أكبر منه، لكن لايثبت له السماع منه، كما أن حبيب بن أبی ثابت لا يثبت له السماع من عروة بن الزبير، وإن كان قدسمع ممن هو أكبر منه ''۔

---

(۱) الیواقیت جلد۲ رصفحہ ۷۱ تا ۷۶۔

(۲) الیواقیت جلد۲ رصفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶۔

ایک حدیث کی تحقیق

پیچھے آ چکا ہے کہ شیخنا الجلیل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں بھی آپ کا ذکر سنا اور حضرت مولانا نے ایک بار فرمایا کہ آپ کے پاس کوئی علمی استفسار لکھ کر بھیجا جس کا تشفی بخش جواب آیا، الیواقیت جلد۲/صفحہ ۳۵۴/ میں حضرت مولانا کا ایک سوال درج ہے:"هل لما اشتهر في خطب الجمعة من قوله ألا إن الدنيا خلقت لكم وأنكم خلقتم للآخرة أصل في المرفوع أو الموقوف أم لا؟" اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:نعم! "قال الغزالي في الإحياء في بيان ذم الدنيا: وقال صلى الله عليه وسلم في بعض خطبة: المؤمن بين مخافتين، بين أجل قدمضى لايدري ماالله صانع به، وبين أجل قدبقي لا يدري ماالله قاض فيه، فليتزودالعبد من نفسه لنفسه، ومن دنياه لآخرته، ومن حياته لموته، ومن شبابه لهرمه، فإن الدنيا خلقت لكم وأنتم خلقتم للآخرة، والذي نفسي بيده مابعد الموت من مستعتب، ولا بعد الدنيا من دارإلا الجنة أو النار، انتهى"۔

قال الحافظ العراقي في تخريج الإحياء جلد۳/ صفحه ۱۷۷/ والإتحاف جلد۸/ صفحه ۸٦/ رواه البيهقي في الشعب من رواية الحسن عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، وفيه انقطاع، انتهى، وقال في موضع آخر جلد٤/ صفحه ۱۵۱/ آخرجه البيهقي في الشعب من رواية الحسن عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، وذكره ابن مبارك في الزهد بلاغاً، وذكره صاحب الفردوس من حديث جابر، ولم يخرجه ولده في مسندالفردوس، انتهى۔

صحیحین کی ایک حدیث میں غلطی

حضرت شیخ کو اپنے فن پر جو عبور تھا اور اس کے نتیجہ میں جو علمی خوداعتمادی حاصل تھی، اس کا اثر تھا کہ حدیث کے ہر موضوع پر محققین کی طرح سیر حاصل بحث کرتے اور آپ کی علمی تحقیق اگرچہ عام روش کے خلاف ہو، اسے پورے ادب واحترام کے ساتھ پیش کردیتے، صحیحین کی مشہور حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے: "اختصمت الجنة والنار إلى ربهما" کے آخر میں ہے:" وإنه ينشى للنار من يشاء" اس کے متعلق جو محققانہ کلام کیا ہے، اسے پڑھتے جائیے اور کہتے جائیے ''پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار''۔

فرماتے ہیں: ''اس روایت شریفہ میں وارد ہے کہ ایک مخلوق کو پیدا کر کے جہنم میں ڈال دیں گے، یہ روایت ماقبل میں گزر چکی ہے، اس میں وارد ہے:" فأما الجنة فإن الله ينشئ خلقاً" یہ لفظ اسی طرح مسلم شریف میں بھی وارد ہے، حضرت انس سے اور صحیحین میں دوسرے صحابہ کی روایت سے بھی وارد ہے، سوائے اس طریق کے کسی اور طریق میں وارد نہیں کہ جہنم میں ڈالنے کے لئے ایک مخلوق کو پیدا فرمائیں گے، محققین علماء کی رائے یہ ہے کہ اس مقام میں راوی کو خلط واقع ہوگیا، قلب ہوگیا، اس کو دھوکہ لگ گیا، اہل جنت کے متعلق جو صفت تھی وہ اہل جہنم کے متعلق کردی، حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:" هذا الحديث مما وقع فيه الغلط" اور یہ قول انہوں نے علماء سے نقل کیا ہے، حافظ ابن قیم زاد المعاد من ہدی خیر العباد میں اپنے شیخ ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ مقلوب ہے، اور ''حادی الارواح إلی بلاد الافراح'' میں بذات خود یہ تصریح کرتے ہیں کہ اس لفظ میں قلب واقع ہوگیا ہے، ابوالحسن قابسی جو مشہور رواۃ بخاری میں ہیں، فرماتے ہیں:"إن الله ينشئ للجنة خلقا وأما النار فيضع فيها قدمه" اور فرماتے ہیں کہ کسی

حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ اللہ جہنم کے لئے کوئی مخلوق پیدا فرمائیں گے، بہر حال ان سب کلاموں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت شاذ ہے اور مقلوب ہے، اس میں راوی کو غلطی واقع ہوگئی ہے۔(۱)

مسلسلات شاہ ولی اللہ

مسلسلات شاہ ولی اللہ میں جو کمزور بلکہ واھی روایتیں ہیں، ان پر متنبہ فرماتے، ایک بار فرمایا: ”إن كثيرا من هذه المسلسلات واهية وأسانيده متكلم فيها، و كان مشائخنا ينبهون على ذلك إجمالا قبل قراء تها“۔(۲)

لڑکی والوں کی طرف سے ولیمہ

لڑکی والوں کی طرف سے ولیمہ کے جواز کے سلسلہ میں لوگ مصنف عبدالرزاق کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، اس پر فرمایا: ”ہاں مصنف عبدالرزاق کی پانچویں جلد میں وہ حدیث شریف موجود ہے، دیوبند والے اور حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی اس کو دلیل میں پیش کرتے ہیں، لیکن وہ حدیث غلط ہے، موضوع ہے۔(۳)

مزید فرمایا: ”بیٹی والوں کی طرف سے دعوت کا مسنون ہونا اگرچہ بعض اہل فتوی نے لکھ دیا ہے اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت پر جس میں حضرت فاطمہ کے نکاح کا مفصل تذکرہ ہے اعتماد کیا ہے، جو امام عبدالرزاق جلد۵/صفحہ۴۸۷/ نے درج کی ہے، لیکن اس کا راوی یحییٰ بن العلاء البجلی ہے: وهو متروك قاله الدار قطني، وقال أحمد بن حنبل، كذاب يضع الحديث۔(۴)

(۱) کتاب التوحید صفحہ۱۰۵/۱۰۶۔
(۲) الفرائض صفحہ۱۲۔
(۳) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ۸۵۔
(۴) الیواقیت الغالیۃ جلد۲/صفحہ۵۳۳۔

فصل پنجم

شیخ یونس اور صحیح بخاری

حدیث شریف سے آپ کو فطری مناسبت تو تھی ہی، مزید نوجوانی ہی سے آپ کو بخاری شریف کی تدریس کی ذمہ داری سونپی گئی اور تقریباً پچاس سال تک اس کتاب کو پڑھایا، آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور سچ یہ ہے کہ اب تک اس منصب پر آپ سے زیادہ اہلیت کا حامل کوئی شخص فائز نہیں ہوا، صحیح بخاری سے آپ کے گہرے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے دوست شیخ محمد بن ناصر العجمی فرماتے ہیں: ”فما لقيه أحد إلا وعرف إن هذا العلامة متيم بالبخاری وصحيحه“۔(۱)

اور ہمارے دوسرے دوست شیخ محمد زیاد التکلّفہ فرماتے ہیں: ” ولعل من أكثر من يجری لسانه بالثناء عليهم الإمام البخاری، حتى صرح أنه على مذهبه فی العقيدة وفی الفقه“۔(۲)

”وأمر عناية شيخنا بتحقيق المسائل أشهر من أن يذكر، وكذا كونه من أعلم الناس بصحيح البخاری خاصة، وأنه يستدرك على الشروح المشهورة من كتب غير المظان“۔(۳)

ہمارے شیخ ودوست بحرین کے علامہ کبیر شیخ نظام محمد صالح یعقوبی فرماتے ہیں: ” قد تشرَّب الشيخ رحمه الله حب البخاری وصحيحه حتى امتلأ إناؤه ريًّا ونهلاً،

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۴۱۔

(۲) الفرائد صفحہ ۹۔

(۳) الفرائد صفحہ ۱۳/۱۲۔

فـمـا يسـأل عـن حـديـث فيـه، أو بـاب، أو إسناد، بل حتى كلمة، إلا ويتحفك بـإجابته على البديهة، ويسعفك ببغيتك لا بالمجاز، بل بالحقيقة، كيف لا، وقد قـرأه ودرسـه وشـرحه عشرات المرات، وكرات بعد كرات، ولايكاد المحصى يـحـصـى عدد مجالس ختمه التى عقدها فى الهند، وبريطانيا، وجنوب أفريقيا، وغيـرهـا مـن البـلاد والمدن والمدارس، ولوقلت: إنى لم أرفى عصرنا هذا أعلم ولا أخبـر ولا أمهـر فـى سـلـوك دروب البخارى وصحيحه وعلومه وكتابه منه رحمه الله، لما كنت والله مبالغا، ولاعلى جادة الحق حائدا أوجائرا"۔(۱)

امام بخاری کی جلالت شان

بخاری شریف سے آپ کی اس گہری وابستگی کا اثر تھا کہ اس کے مصنف کی عظمت وجلالت شان آپ پر بالکل عیاں تھی، آپ نے ایک بار فرمایا:" كـان البـخـارى رحمه الـلـه تـعـالـى إمـامـاربـانيـا حـافـظا للحديث والآثار، خبيرا ماهرا فى التاريخ والـرجـال، عـالـمـا بطريق الاجتهاد، مطلعا على أقوال الفقهاء وآرائهم، فائق الأقـران فـى الـورع، منقطع القرين فى علوم القرآن والحديث، واقفاً على آراء المتكلمين والفرق الإسلامية "۔(۲)

ایک اور بار فرمایا:"البـخـارى لـه استـحـضـار تـام لـلمذاهب وللروايـات والأحاديث"۔(۳)

ایک بار پھر فرمایا:"الإمام البخارى إمام فى كل شئ"۔(۴)

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۸۰۔

(۲) الفرائد صفحہ ۷۲۔

(۳) الفرائد صفحہ ۷۲/۷۳۔

(۴) الفرائد صفحہ ۷۳۔

مزید فرماتے تھے: ”البخاری أفقه خلق اللّٰه“۔(۱)

ایک بار پھر فرمایا کہ: ’’بخاری بہت ذہین تھے، ذہانت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے‘‘۔

ایک بار یہاں تک فرمایا: ” اسمع منی کلاما لم أقله من قبل، إنی أری البخاری أفقه و أعلم من الأئمة الأربعة“ یعنی مجھ سے ایک ایسی بات سنو جو میں نے پہلے کبھی نہیں کہی، میرے نزدیک بخاری ائمہ اربعہ سے بڑے فقیہ اور بڑے عالم ہیں۔(۲)

صحیح بخاری کی عظمت

بخاری شریف کی عظمت پر آپ کو یقین کامل تھا، ایک بار فرمایا: ” فلما صنف کتابه الجامع الصحیح جعله کإسمه جامعا لجمیع الفنون، فلما أورد مع الإیمانیات والإلهیات والأعمال والعبادات والمعاملات، التفسیر والتاریخ، لم یقتصر علی ذلك رد علی الفرق التی تخالف طرائقهم منهج السنة وأصحابها، وذکر ما یتعلق بطب الأبدان والقلوب من الأدویة والأدعیة والرقائق المزهدة فی الدنیا المرغبة فی الآخرة۔(۳)

فرماتے تھے: ” صحیح البخاری لیس مجموعة للأحادیث فقط، إنما هو موسوعة للإسلام“۔(۴)

بخاری فہمی میں آپ کا مقام

عام طور سے مدارس میں بخاری شریف کی خصوصیات نظر انداز کر کے سارا زور متن،

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۸۹۔

(۲) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۲۹۔

(۳) الفرائد صفحہ ۷۴۔

(۴) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۸۹۔

ترجمہ باب اور امام بخاری کے فقہی مسلک کی تردید پر صرف ہوتا ہے، بہت سے وہ لوگ جو اس وقت شیخ الحدیث کہلاتے ہیں، ان کے اسباق میں یا تو ادھر ادھر کے کچھ نقول ہوں گے، یا دور از کار موشگافیاں، یا خشک و بیجان مدرسانہ بحثیں، یا کچھ خواب بیان ہوں گے اور ظنون واوہام حقائق کے قالب میں پیش کئے جائیں گے، یا فقہ حنفی کا دفاع ہوگا، اور بخاری کو سمجھے بغیر بخاری کی تردید، نتیجہ یہ کہ طلبہ اس عظیم کتاب کی خصوصیات اور خوبیوں سے نا آشنا رہتے ہیں، اور انہیں اس معیار بحث وتحقیق کا بالکل اندازہ نہیں ہوتا جو امام بخاری کے عہد کا طرۂ امتیاز ہے اور دنیا آج بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، انہیں کون بتائے کہ بخاری فہمی اس کا نام نہیں کہ گذشتہ شارحین کے نقول جمع کر دیئے جائیں یا صحیح بخاری کو تصوف، یا فقہ وکلام کی کتاب قرار دے دیا جائے، اس کتاب کے موضوع ومزاج سے واقفیت اور اس کے مباحث کی تحقیق سے عام طور سے لوگوں کو کوئی مناسبت نہیں، ظاہر ہے کہ ان دعویداران بخاری سے حضرت شیخ یونس کا مقابلہ کرنا علم ودانش کی توہین ہے:

شمہ از داستان عشق شور انگیز ماست

ایں حکایت ہا کہ از فرہاد وشیریں کردہ اند

صحیح بخاری کو جس طرح دو شخصوں نے سمجھا، اس طرح شاید کسی نے سمجھا ہو، ایک حافظ ابن حجر، دوسرے شیخ یونس، آپ کے دروس میں پہلی بار یہ بات معلوم ہوئی کہ بخاری شریف کو حنفی وغیر حنفی، مقلد وغیر مقلد کی بحثوں سے پاک رکھنے پر کتنے رموز واسرار کھلتے ہیں اور یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ کی تقریروں اور تحریروں سے آپ کی بخاری فہمی کے جو گوشے سامنے آئے وہ اس سے بہت کم ہیں جو چھپے رہ گئے اور جو آپ کے ساتھ قبر میں چلے گئے، حالانکہ وہ بہت زیادہ وزنی اور گراں قیمت تھے، ہم نے آپ کو اس سے بھی کم جانا جتنا آپ نے کھولنا چاہا، اگر آپ قرون اولی میں ہوتے تو آپ کا نام حفاظ حدیث ابن عبد البر، قاضی عیاض اور ابن حجر وغیرہ کے ساتھ لیا جاتا۔

صحیح بخاری کے حوالہ سے برصغیر بلکہ حافظ ابن حجر کے بعد پورے عالم اسلام کے کسی محدث کی تحقیقات کا وہ امتیازی مقام نہیں جو استاذ نا حضرت شیخ یونس کے ساتھ مخصوص تھا، بخاری شریف کو اس طرح پڑھانا کہ امام بخاری کے مقصد ومنشاء کی پوری ترجمانی ہو، بخاری کی سندوں کی خصوصیات اور متابعات کے فوائد، حدیث سے مسائل کے استنباط اور کتاب کے نکات ودقائق کی تہہ تک پہنچنے اور ائمہ کے اختلاف ومذاہب اوران کے دلائل ومآخذ کو بیان کرنے کی غیر جانبدارانہ کوشش ہو، یہ چیز جس طرح استاذ محترم کے حصہ میں آئی کسی کے یہاں اس جامعیت سے میسر نہیں، سنت کی محبت، بدعات سے نفرت اور تحقیق وعدم عصبیت میں آپ کو بے انتہا مشابہت ہے مولانا گنگوہی سے اور محدثانہ تحقیقات میں آپ مولانا عبدالحئی فرنگی محلّی اور مولانا انورشاہ کشمیری سے قریب تر اور مجموعی طور پر خاص بخاری فہمی میں ان سب سے فائق۔

آپ نے نہ یہ کہ بخاری شریف کی معیاری تشریح کا کام انجام دیا، بلکہ اس کتاب کی تشریحات میں جو خامیاں ہیں ان کو دور کیا، بخاری شریف کی تشریح کے دوران آپ تحقیق وتدقیق اور اصابت رائے پر اسی طرح توجہ دیتے جو خود امام بخاری کا مزاج تھا، امام ترمذی ناقل ہیں: ”قال البخاري: ابن أبي ليلى، هو صدوق، ولا أروى عنه، لأنه لايدري صحيح حديثه من سقيمه، وكل من كان مثل هذا، فلا اروى عنه شيئاً“۔(۱)

وقال: ”زمعة بن صالح ذاهب الحديث، لايدري صحيح حديثه من سقيمه، وكل من كان مثل هذا فلا أروى عنه شيئاً “۔(۲)

امام بخاری کی نظر سے صحیح بخاری کو سمجھنا

اس میں شک نہیں کہ آپ کے کمالات کا ادراک بخاری شریف کے بغیر اور بخاری

(۱) سنن ترمذی صفحہ ۳۶۴۔ (۲) علل الترمذی الکبیر صفحہ ۳۸۹۔

شریف کے جمال وجلال کی تمیز اور پرکھ آپ کے بغیر ممکن نہیں، بخاری شریف کی تدریس میں امام بخاری کے نقطہ نظر کو اچھی طرح سمجھانے کی کوشش کرتے، اس کتاب پر محققانہ نظر میں آپ کو صاحب کتاب سے مماثلت تھی، حافظ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے:" لم تكن كتابتي للحديث كما كتب هؤلاء، كنت إذا كتبت عن رجل سألته عن إسمه و كنيته و نسبه و حمله الحديث، إن كان الرجل فهما، فإن لم يكن سألته أن يخرج إلى أصله و نسخته، فأما الآخرون لايبالون مايكتبون و كيف يكتبون"۔(۲)

امام بخاری نے بحث وتحقیق کی کن کن باریکیوں کی رعایت کی ہے، جن کی تہہ تک پہنچنا ہم نااہلوں کے بس کی بات نہیں، آپ صحیح بخاری امام بخاری کی تصنیف کی حیثیت سے پڑھاتے ہیں، آپ اس کی کوشش کرتے کہ بخاری شریف کے ہر ترجمہ باب، حدیث اور بحث سے خود امام بخاری کا مقصود کیا ہے، اسے سمجھا جائے، حسن ترتیب اور متابعات وغیرہ میں امام بخاری نے کیا رعایتیں رکھی ہیں اور جب امام بخاری کسی حدیث کی دوسری سند ذکر کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد کیا ہوتا ہے۔

تحقیق ونظر کی عادت نے صحیح بخاری کے اغراض ومقاصد اور خبایا وزوایا کو آپ پر روشن کردیا، اس کتاب پر آپ نے کسی خارجی عینک کے ذریعہ نگاہ نہیں ڈالی، بلکہ خود مصنف کتاب یعنی امام بخاری کے نقطہ نظر سے اسے سمجھنے کی کوشش کی اور اس طریقہ کار نے بخاری کی نظر اور مسلک کی گہرائی اور گیرائی آپ پر واضح کردی، وسعت مطالعہ، کتب حدیث وفقہ، اجزائے حدیثیہ، شروح کتب حدیث اور متعلقات علم حدیث پر آپ کی نظر نے اس کتاب کے پیچیدہ مباحث کو حل کرنے میں بڑی مدد کی، فرماتے تھے کہ:'' حدیث شریف سے متعلق شاید کوئی مطبوعہ کتاب ایسی ہو جس کا میں نے مطالعہ نہ کیا ہو، اس وسیع

(۱) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲/صفحہ ۴۰۶۔

وعمیق نظر کے بعد آپ کے اس قول کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ صحیح بخاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے"۔

امام بخاری کا اتباع

بخاری فہمی اور بخاری سے محبت کا حال یہ تھا کہ عام مختلف فیہ مسائل میں امام بخاری کی پیروی کرتے تھے، اوراس کا برملا اظہار کرتے تھے، محمد زیاد التکلۃ لکھتے ہیں:" ولعل من أكثر من يجرى لسانه بالثناء عليهم الإمام البخارى، حتى صرح أنه على مذهبه فى العقيدة وفى الفقه"۔(۱)

ہمارے دوست شیخ حامد اکرم البخاری تحریر فرماتے ہیں:"كان كثير الإجلال للإمام البخارى والإعجاب به والثناء عليه والترحم، ولايكاد يذكره إلا ويبكى"۔(۲)

تقریر بخاری

آپ اپنے دروس میں اس کی کوشش کرتے کہ بخاری شریف کے ہر ترجمہ باب، حدیث اور بحث سے خود امام بخاری کا مقصود کیا ہے، اسے سمجھا جائے، حسن ترتیب اور متابعات وغیرہ میں امام بخاری نے کیا رعایتیں رکھی ہیں، ان سے پردہ اٹھایا جائے، بخاری شریف کو اس طرح پڑھانا کہ امام بخاری کے مقصد ومنشاء کی پوری ترجمانی ہو، بخاری کی سندوں کی خصوصیات اور متابعات کے فوائد، حدیث سے مسائل کے استنباط اور کتاب کے نکات ودقائق کی تہہ تک پہنچنے اور ائمہ کے اختلاف ومذاہب اوران کے دلائل ومآخذ کو بیان کرنے کی غیر جانبدارانہ کوشش ہو، یہ چیز جس طرح استاذ محترم کے حصہ میں

(۱) الفرائد صفحہ ۹۔

(۲) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۷۱۔

آئی کسی کے یہاں اس جامعیت سے میسر نہیں۔

مولانا ایوب سورتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:'' بخاری شریف کا درس کیا ہوتا ہے ایک بحر ناپیدا کنار، محدثین و متکلمین، مفسرین وشراح کرام اور ائمہ جرح وتعدیل کے ناموں کی ایک فہرست ذہن نارسا میں نقش ہوتی جاتی ہے، رواۃ پر سیر حاصل کلام اور کوئی قول بغیر حوالہ کے نہیں اور کوئی حوالہ نقل در نقل نہیں بلکہ اصل تک پہنچنے کی کامیاب کوشش ہوتی تھی، شرح حدیث، اقوال ائمہ، دلائل طرفین اور ان میں موازنہ وجہ ترجیح وغیرہ سب کچھ ہی بیان ہوتا تھا، گویا فتح الباری وعینی، قسطلانی وکرمانی سب ہی کا خلاصہ اور لب لباب ہمارے سامنے ہوتا''۔(۱)

مولانا ایوب سورتی صاحب مزید فرماتے ہیں:'' آپ صحیح بخاری کے درس کی بھرپور تیاری کرتے، پورا مطالعہ کرتے، شروح بخاری کا مطالعہ کرکے اس کی ضروری باتوں کو نوٹ کرتے، آپ نے مطالعہ کے دوران تین طرح کے حواشی لکھے، ایک تو مختصر اشارات جو بین السطور یا حاشیہ پر ہوتے جس سے کتاب کی تدریس میں مدد لیتے، دوسرے حاشیہ پر یا سادہ ورق پر پورے باب کا خلاصہ، غرض مصنف، مناسبت ابواب یا نئی تحقیق لکھتے، تیسرے بعض دقیق ابواب پر مشتمل اجزاء کی شکل میں تحریر فرماتے، ہر بات کا پورا حوالہ لکھتے، درس میں ہر قول کا حوالہ دیتے، کتاب کی عبارت کو پوری طرح حل کرتے، تمام مسالک ومذاہب ائمہ اربعہ کے ناموں کے ساتھ نقل کرتے، بلکہ دیگر ائمہ متبوعین اور علماء کے نام لیکر ان کے اختلافات اور دلائل بھی ذکر کرتے، آپ کا درس انتہائی مرتب، محقق اور جامع ہوا کرتا تھا، شروع سے اخیر کتاب تک برابر سمجھاتے اور وقت پر کتاب پوری کرتے، شروع دور جوانی میں تو کلام انتہائی مفصل ہوتا تھا، بعد میں رفتہ رفتہ اختصار ہوتا گیا''۔(۲)

مولانا ایوب سورتی صاحب نے آپ کی بخاری کی تقریروں کو درس کے دوران جمع کیا

---

(۱) الیواقیت ۱/۸۔ (۲) الفیض الجاری ۱/۲۳-۲۴۔

تھا، جو گیارہ جلدوں میں تھیں، حضرت شیخ یونس کی ان پر اچانک نظر پڑی'' تو پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا درس میں نقل کردہ کاپیاں ہیں، پھر ایک ایک کر کے کئی کاپایاں کافی دیر تک کھڑے کھڑے دیکھتے رہے، اور فرمایا کہ اسے نقل کر کے مجھے دو، میں نے حامی بھر لی، اور وطن جا کر اسے نقل کرنا شروع کیا، رفتہ رفتہ حسب موقع وفرصت نقل کرتا رہا، اور حضرۃ الاستاذ تک پہنچاتا رہا، تا آنکہ ایک معتد بہ حصہ چار جلدوں میں کتاب مواقیت الصلاۃ تک پہنچا، جو دو سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نقل کر کے حضرت کو پہنچایا اور حضرت نے اس کا نام اس کی سرخ جلدوں کی وجہ سے لال کاپی رکھ دیا۔(۱)

آپ نے ان نوٹس کی اصلاح کی، ان میں اضافے کئے اور انہیں محقق کیا، لیکن ان کو شائع کرنے کی اجازت نہیں دی، اب مولانا ایوب صاحب انہیں تقریروں کو ''الفیض الجاری'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

نبراس الساری

اردو میں بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث پر متعدد شروح وتقاریر شائع ہو چکی ہیں، جن کو دیکھ کر سخت مایوسی ہوتی ہے، نہ کوئی تحقیق اور نہ کسی مسئلہ پر عالمانہ ومحدثانہ کلام، صرف کہنہ وبوسیدہ مباحث کی تکرار اور ناقابل معافی غلطیوں کی بھرمار، حیرت ہوتی ہے کہ ان چیزوں کی اشاعت سے کون سی خدمت مقصود ہے؟"جاء شاعر إلى بشار بن برد، فأنشده شعراً ضعيفاً، وقال له: كيف تراه؟ فقال له: أحسنت إذ أخرجته من صدرك، لو تركته لأورثك الفالج"۔

اس میں شک نہیں کہ بخاری شریف کی شرح کا جو قرض اس امت پر صدیوں سے چلا آ رہا تھا، اس قرض کی ادائیگی کی سنجیدہ علمی کوشش حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے کی،

---

(۱) الفیض الجاری ۱/۸۔

حافظ ابن حجر کی حدیث کے مختلف مجموعوں اور خاص طور سے اجزائے حدیث پر جونظر تھی اس کی نظیر بہت کم ہے، بخاری شریف کی شرح میں ان سے خصوصی فائدہ اٹھایا، بخاری شریف کی اسانید ومتون پر اعتراضات کا علمی جواب دیا، اورامام بخاری کی منشاء کو واضح کرنے میں پوری جدوجہد صرف کی، اور ایک ایسی شرح تصنیف کی کہ آج تک اصول ستہ میں سے کسی کتاب کی ایسی شرح وجود میں نہیں آئی اور فتح الباری کے لئے یہ حدیث ضرب المثل بن گئی: ''لاہجرۃ بعد الفتح''، یعنی فتح الباری کی تصنیف کے بعد سفر کی ضرورت نہیں رہی اور یہ صحیح ہے کہ اس کے بعد اب تک بخاری شریف کی کوئی دوسری شرح اس پایہ کی نہیں آئی، عام طور سے بخاری شریف کے پڑھانے کے لئے فتح الباری ہی بنیادی مرجع رہی ہے، بلکہ بخاری شریف کو روایت ودرایت کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر پڑھانے کا رواج بہت کم رہا، زیادہ تر سماع، یا سماع کے ساتھ مختصر تشریح پر اکتفا کیا جاتا رہا ہے۔

آپ نے بخاری شریف کی کوئی باقاعدہ شرح نہیں لکھی، آپ کی بخاری فہمی آپ کے دروس وتقریرات میں محفوظ ہے، ان دروس کی تیاری کے دوران آپ کچھ نوٹس لکھ لیتے، اور جب بھی ایسے کوئی فوائد نظر سے گزرتے جن سے بخاری شریف کی کسی مشکل حل میں مدد ملتی، انہیں بھی مقید کر لیتے، یہ نوٹس موجود ہیں، اسی طرح فتح الباری پر بھی آپ نے کثرت سے نوٹس لکھے ہیں، ضرورت ہے کہ ان نوٹس کو یکجا کر کے تحقیق کے اصولوں کی رعایت کر کے انہیں شائع کیا جائے۔

مولانا محمد ایوب سورتی صاحب مدظلہ العالی نے بخاری شریف پر آپ کے نوٹس کو شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، اس کی پہلی جلد آپ کی حیات ہی میں آچکی تھی، اس شرح کا نام ہے ''نبراس الساری فی ریاض البخاری'' یہ مکتبۃ القلم، سورت، گجرات سے شائع ہورہی ہے، پہلی جلد ابتدائے بخاری سے کتاب الوضوء کے خاتمہ تک کے ابواب پر مشتمل ہے، اس جلد کے شروع میں محقق کتاب مولانا ایوب سورتی صاحب کے پیش لفظ کے بعد

راقم السطور کی کتاب ''الفرائد'' سے آپ کا ترجمہ ماخوذ ہے، پیش لفظ کے تحت تاریخ ۲۰ / رمضان سنہ ۱۴۳۸ ہجری مطابق ۲۱ / جون سنہ ۲۰۱۷ء ہے، اس شرح میں متن کی تشریح، اختلاف فقہاء کے بیان، امام بخاری کے مسلک کی وضاحت وترجیح، اختلافی مسائل پر معتدلانہ ومحققانہ بحث ہے۔

بعض فوائد متعلقہ صحیح بخاری

یہاں نمونہ کے طور پر صحیح بخاری سے متعلق آپ کے بعض افادات نقل کئے جاتے ہیں:

ترتیب کتب وابواب

امام بخاری نے کتب وابواب کی ترتیب میں دقیق حکمتوں اور مصلحتوں کی رعایت کی ہے، شیخ نے اپنے دروس اور تحریروں میں کتب وابواب کی ترتیب پر روشنی ڈالی ہے، صحیح بخاری کی ابتداء وانتہاء کے درمیان مناسبت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر بدء الوحی کو صحیح بخاری کا مقدمہ مان لیا جائے تو کتاب کی ابتداء کتاب الایمان سے ہوتی ہے، اور انتہاء کتاب التوحید پر، ابتداء وانتہاء کی یہ مناسبت اس کتاب کے ان لطائف میں سے ہے جو ایک صحیح النظر محقق کو اس کتاب میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں، قاعدہ ہے کہ جس کتاب کی ابتداء اور انتہاء میں مناسبت ہوتی ہے وہ کتاب مصنف کے براعت اور اس کے تفوق اور فضل وکمال کی کھلی ہوئی دلیل ہوا کرتی ہے، یہاں بعینہٖ یہی صورت حال ہے اور بخاری کی ابتداء اور انتہاء میں مناسبت ہے، امام بخاری نے ایمان سے کتاب کی ابتداء کی تھی، کیونکہ وہ بدء الوحی تمہید تھی اور ایمانیات پر ہی کتاب کو ختم کر دیا کہ ذات وصفات کے مسائل بیان کر دیئے۔(۱)

(۱) تقریر کتاب التوحید صفحہ ۲۳۷۔

کتاب الإیمان کے آخری باب ''باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصحیۃ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ایسا لگتا ہے کہ مصنف (یعنی امام بخاری) نے اس ترجمہ کو آخر میں لاکر اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کتاب الایمان میں جو تراجم آئے ہیں، جنہیں ثابت کیا ہے اور جن کے ذریعہ مخالفین کی تردید کی ہے اس کے ذریعہ صرف نصیحت یعنی خیر خواہی کا ارادہ کیا ہے، مصنف نے پوری کتاب میں اسی مصلحت کی رعایت رکھی ہے۔(۱)

کتاب الوضوء میں ابواب کی ترتیب کی تشریح وتوجیہ میں شارحین بخاری میں شدید اختلاف ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ ان ابواب میں کوئی ترتیب نہیں، بعض اختلافات ذکر کرنے کے بعد شیخ نے ان ابواب کی منطقی ترتیب بڑے اچھے انداز سے پیش کی ہے۔(۲)

بخاری شریف کی آخری کتاب یعنی کتاب التوحید کے اندر امام بخاری نے جن موضوعات پر بحث کی ہے، ان میں سے بعض موضوعات ایسے ہیں جن کا تعلق کتاب کے اصل عنوان سے بظاہر بہت کم ہے، اس سوال کو اس طرح حل فرماتے ہیں، دوسری بات یہ سمجھئے کہ کتاب التوحید یا کتاب الرد علی الجہمیۃ کا یہ عنوان ایسا ہی ہے جیسا حضرات متکلمین الھیات کا عنوان منعقد کرتے ہیں اور اس کے تحت ذات، صفات، نبوات، خلق اعمال، میزان وغیرہ کا ذکر فرماتے ہیں، اسی لئے امام بخاری نے کتاب التوحید میں ذات وصفات اور خلق اعمال اور نبوات اور میزان کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔(۳)

آپ نے فرمایا:'' ترتیب الکتب والأبواب فی الصحیح ترتیب منطقی معقول، قدم الوحی، فبه قام الدین وجاء ت الشرائع وظهرت الرسالة، ومنه عرف الإیمان والعلوم، ثم أتی بکتاب الإیمان فإنه الأصل، ولما کان الإیمان أشرف العلوم ولا تعتبر العبادات إلا به عقبه بکتاب العلم۔

(۱) نبراس الساری جلد ۱ / صفحہ ۲۸۸۔

(۲) نبراس الساری جلد ۱ / صفحہ ۴۴۲ / تا ۴۴۵۔

(۳) تقریر کتاب التوحید صفحہ ۱۸۔

ثـم ذكـر الأعـمـال، والأفضل الأعمال البدنية الصلاة، ولايتوصل إليها إلا بالطهارة، فعقبها، والصلاة عبادة بدنية فرد(أى غيرمركبة) والزكاة عبادة مالية فـرد، وأفـراد الأمـور مـقـدمة، والـحـج مركب من العبادات البدنية والمالية، والثـلاث عبـادات فـعـليه، والصوم عبادة تركية، فأورد الفعلية ثم التركية، لأن التـرك يـكـون بـعد الفعل، فاجتمع فى هذا الترتيب العقل والنقل وهو حديث بـنـى الإسـلام على خمس الذى رواه عبدالله بن عمر رضى الله عنهما، وذكر فـضـائـل الـمـدينة بعد الحج لأن غالب من يحج يزور المدينة المنورة، وهذه التراجم تتعلق بمعاملة العبد مع الخالق.

وبعد ذلك شرع فيما يتعلق بمعاملة مع الخلق، أو يقال لما فرغ من العبادات الـمـقـصـود مـنهـا الـتـحـصيـل الأخـروى شرع فى المعاملات المقصود منها التـحـصيـل الـدنيـوى، وقـدم البيـوع، لأن البيوع حاجة الناس الأساسية وذكر مايتعلق بها من السلم والشفعة، ولما فرغ من تمليك العين بالعوض ذكر تمليك الـمـنـفـعة بـالعوض، وقد تقع الحاجة إلى الحوالة والكفالة والوكالة فذكرهن، وفـى الـوكـالة التـوكل على الأدنى فأردفها بما فيه التوكل على الأعلى أى على الله، وذكر الحرث والمزارعة، ومتعلقات الأرض من الموات والغرس والشرب والـمسـاقـاة وغيرذلك، ويحتاج الناس فى كثير من ذلك إلى الاستقراض فذكر كتـاب الاستـقـراض، وقـد تـؤدى الـمـعـاملات الدنيوية إلى المنازعات فذكر الـخـصـوصيـات والـمـلازمات واللقطة، والالتقاط وضع اليد باالأمانة الشرعية فأردفه بما فيه وضع اليد تعديا، وذكر المظالم والقصاص.

وبـعـد الـحـقـوق الـمشتـركة الـعـامة ذكر الاشتراك الخاص فعقد كتاب الشركة، ولما كانت هذه المعاملات فى مصالح الخق ذكر ما يتعلق بمصالح

المعاملة وهى الرهن، والرهن يحتاج إلى فك الرقبة أردفه بالعتق، ثم ذكر متعلقاته من التدبير والولاء وأم الولد والكتابة، ولما كانت الكتابة تستدعى ايتاء لقوله "وآتوهم من مال الله الذى آتاكم" أعقبه بالهبة، وكمافى الاعتقاق ايصال المنفعة للغير كذلك فى الهبة، ولما كانت الهبة نقل ملك العين بلا عوض أردفه بالكتاب العارية لما فيها من نقل المنفعة بلا عوض، وذكر كتاب الشهادات للحاجة إليها حين تقع المنازعات فى المعاملات، وقد يقع الصلح بين الخصمين فأردفه بكتاب الصلح، وقد يقع الصلح بالشروط فأعقبه بكتاب الشروط، وقد يكون الشرط فى الوقف فذكر فى آخر الشروط باب الشروط فى الوقف، والوقف يتعلق بما بعد الموت فذكر الوصايا.

والوصية تتعلق بما بعدالموت، والموت له علاقة بالجهاد فأورد كتاب الجهاد لأن الإنسان خلق للمجاهدة، والمجاهدة قدتكون بإلقاء المشقة عن النفسة وقد تكون بإلقاء الشدة على النفس، أو يقال لما انتهى من المعاملات مع الخالق والمخلوق أرفها بمعاملة جامعة بين الخالق والمخلوق وهى الجهاد۔

ولما تمت المعاملا الثلاثة أى مع الخالق والمخلوق والمعاملة المشتركة وكلها من الوحى (المترجم ببدء الوحى) أورد بدء الخلق، أو مناسبة الضد فإن فى الجهاد إرهان النفس وفى بدء الخلق إحيائه، وأراد أن يذكر أن هذه المخلوقات محدثات وأن مصيرها إلى الفناء وأنه لا خلود لأحد فذكر الجنة والنار.

وترجم للأنبياء بمناسبة بدء الخلق لأنهم أفضل الخلق وأشرافهم، ثم ترجم لسيد الأولين والآخرين فذكر المناقب، وترجم لأصحابه وعمل كتاب المغازى، ثم ختم سيرة النبى صلى الله عليه وسلم بمرضه ووفاته، ولم يقبضه الله تعالى إلا وقد تمت شريعته كاملة بيضاء نقية وأكمل نزول كتابه فأعقبه

بكتاب التفسير، وبمناسبة ذلك ترجم كتاب فضائل القرآن.

ثـم ذكـر كيف يـنـقـل كل ذلك إلى الجيل التالى، فأعقبة بكتاب النكاح، وقـد يـحتـاج إلـى فسخه فترجم كتاب الطلاق واللعان، ومن أحكام النكاح والـعدة وجوب النفقة فذكر كتاب النفقات، والنفقة تكون من المأكولات غالباً فـأردفـه بـكتاب الأطعمة، ثم ماهو خاص منها فذكر كتاب العقيقة، والعقيقة يـحتـاج فيهـا إلى الذبح فأردفه بكتاب الذبائح، ومن المذبوح ما يصاد فذكر الـصيـد، ثم ما يذبح مرة فى العام فذكر كتاب الأضاحى، والمأكولات تتبعها الـمشارب فأردفه بكتاب الأشربة، ويحدث المرض عموماً بالطعام والشراب فـذكركتاب المرضى، والمرض يحتاج إلى العلاج فذكر كتاب الطب، وبعد الـفـراغ مـن الأطـمـعة والأشرابة أعقبه باللباس والزينة، وتتعلق كثير من هذه الأمور بآداب النفس فأردفها بالآداب والبر والصلة والاستيذان.

ولما كان السلام والاستيذان سببا لفتح الأبواب السفلية أردفها بالدعوات التـى هـى فتـح لـلأبـواب الـعـلـوية، ولـمـا كان الدعاء والذكر سببا للاتعاظ ذكر الـمـواعـظ والـزهد والرقاق، وكثير منها عن أحوال القيامة فذكر كتاب الحوض، والأمـور كـلهـا بتـصـريف اللّٰه تعالى فذكر كتاب القدر، وأن القدر قد يحال عليه الأشياء المنذورة فذكر الأيمان والنذور، فلما فرغ من احوال الناس فى الحياة الدنيا ذكـر أحـوالهم بعد الموت فذكر الفرائض، ولما فرغ من الأحوال التى ليست فيها دناء ة عقب بما فيه دنائة من الحدود والجناية.

والمرتد قد لايكفر إذا كان مكرها، أو يقال لما فرغ من الأمور الاختيارية أردفـه بـالأمور الاضطرارية فذكر كتاب الإكراه، والمكره قد يضمر فى نفسه حيـلة دافـعة فذكر الحيل ما يحل منها وما لايحل، ولما كان فى الحيل ارتكاب

ما يخفى و كذا فى التعبير فذكر التعبير، وقد يكون الرؤيا والتعبير والحيل سببا للفتن (وما جعلنا الرؤيا التى اريناك إلا فتنة للناس) فذكر كتاب الفتن.

ولما كان الحكام هم الذين يدفعون الفتن ذكر كتاب الأحكام، ويتمنى الناس القضاء والإمارة فذكر كتاب التمنى، والمدار الغالب فى الأحكام على خبر الواحد فذكر كتاب أخبار الآحاد، والأحكام تحتاج إلى الاعتصام بالكتاب والسنة فذكر الاعتصام بالكتاب والسنة، ولما كان أساس العصمة أولا وآخراً هو التوحيد ذكر كتاب التوحيد، ثم آخر الأمور التى يظهر فيها الفلا ح من الخسارة هو ثقل الموازين فذكر وضع الموازين۔(۱)

ابواب وتراجم

امام بخاری جہاں ایک طرف فن حدیث کی امامت عظمی کے منصب پر فائز ہیں، وہیں آپ کا شمار اکابر مجتہدین وفقہاء میں ہوتا ہے، حضرت شیخ فرماتے تھے کہ ’’امام بخاری فقیہ اعظم ہیں اور غیر معمولی ذہین ہیں‘‘۔

امام بخاری نے اپنی فقہی تحقیقات وتدقیقات کو صحیح کے ابواب وتراجم میں سمودیا ہے، اہل علم نے تراجم میں بخاری کے اغراض ومقاصد کو سمجھنے کے لئے بڑی محنت کی ہے، عام طور سے بخاری کے مقاصد بہت دقیق ہوتے ہیں، آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے، ابواب وتراجم کو سمجھنے کی سب سے اچھی کوشش حافظ ابن حجر نے کی ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے اس موضوع پر رسائل تصنیف کئے ہیں، استاد محترم نے (أصول عديدة فى وضع الأبواب والتراجم لصحيح الإمام البخاري) نامی اپنی مختصر تحریر میں تراجم کو سمجھنے کے لئے رہنما اصول پیش کئے ہیں، اس میں دو فصلیں ہیں،

(۱) الفرائد صفحہ ۷۴ تا ۷۸۔

پہلی فصل ان تراجم کی قسموں کے بیان میں ہے، آپ کے مطابق یہ تراجم بیس سے زائد قسموں پر مشتمل ہیں اور دوسری فصل ان تراجم میں امام بخاری کے طریقہ استدلال پر مشتمل ہے، آپ نے ان ساری قسموں اور طریقہائے استدلال کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔

حضرت شیخ نے بعض مشکل ابواب وتراجم کی تحقیق میں ایک مفصل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے، بحوث مهمة عن بعض الأبواب والتراجم لصحيح البخاری، یہ رسالہ الیواقیت کے تقریباً دوسو صفحات پر مشتمل ہے، اس رسالہ کے شروع میں فرماتے ہیں: ”فهذه تعليقات على بعض تراجم الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأيامه، تصنيف الإمام ابى عبداللّٰه محمد بن إسماعيل البخارى رحمه اللّٰه تعالى ورضى عنه، أردت بها أيضاحها، وإبراز ما فى مكامنها من الرموز والخفايا، وإظهار ما فى مطاويها من الكنوز والخبايا، وإثباتها من الحديث إذا خفيت المناسبة، فإنه رحمه اللّٰه أراد بتأليف كتابه جمع ما صح من الحديث، وشدد فى شرائط الصحة فقلت عنده الأحاديث، فاحتاج إلى التدقيق فى الاستنباط، وقد أزيد على شرح التراجم بعض الفوائد مما يتعلق بالأحاديث أو بما أورده فى الكتاب“۔

بخاری شریف کی کتاب التوحید کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ”کتاب التوحید عجیب وغریب ہے، امام بخاری نے انداز یہ ہے کہ اپنی پوری قوت علمیہ کو اس میں نچوڑ دیا ہے، اس لئے ہم جیسے کم علم لوگوں کی امام بخاری کے علم کے تمام مدارک تک رسائی ہوجائے یہ تو بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن میں اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کروں گا کہ امام بخاری کے تراجم کی صحیح غرض سامنے آجائے“۔(۱)

فرماتے ہیں: ”ولما كان البخارى رحمه اللّٰه شرط على نفسه فى تصحيح

(۱) تقریر کتاب التوحید صفحہ ۵۳۵۔

الحديث طريقا لم يسلكه أكثر الأئمة ضاقت عليه فى بعض الأحيان طريق الأدلة الواضحة الدلالة على المراد، فأخذ الترجمة من الأحاديث بنوع من أنواع الدلالة، ولذا صارت تراجمه والاستدلال عليها متنوعة"۔(۱)

وضع تراجم میں مجتہدانہ انداز

آپ فرماتے ہیں: ''امام بخاری وضع تراجم میں آپ اپنی مثال ہیں، نہ اساتذہ میں کسی نے ایسے تراجم منعقد کئے، نہ بعد میں نظیر ملتی ہے، امام کے تراجم دو طرح کے ہیں:

(۱) تراجم ظاہرہ۔

(۲) تراجم خفیہ۔

تراجم ظاہرہ کے متعلق تو کہنا ہی نہیں، وہاں تو یہ ہے کہ امام نے جو تراجم ذکر کئے ہیں صراحتاً روایت باب میں وہی ہیں، ایسے مواقع پر امام بخاری کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ بتلادیں اس حدیث میں فلاں حکم ہے یا بتلادیں کہ فلاں حکم کے لئے فلاں حدیث دلیل ہے، بسا اوقات ایسا ترجمہ منعقد کرتے ہیں جو بعینہٖ لفظ حدیث ہے، یعنی بعض مرتبہ ترجمہ میں ہی بعض الفاظ حدیث ہوتے ہیں اور اکثر مرتبہ معنی حدیث کو ترجمہ گردانتے ہیں۔

خفیہ تراجم مختلف نوع کے ہیں

(۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترجمہ میں ایک سے زائد احتمال ہوتا ہے لیکن جو حدیث ذکر کرتے ہیں، اس سے مراد کی تعیین ہوجاتی ہے اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ ترجمہ میں کون سا احتمال مطلوب ہے۔

(۲) کبھی اس کا عکس ہوتا ہے کہ حدیث میں چند احتمالات ہوتے ہیں تو امام بخاری

(۱) الفرائد صفحہ ۷۸۔

ترجمہ منعقد کر کے متعین کر دیتے ہیں کہ کون سا احتمال مراد ہے، گویا امام ترجمہ کے ذریعہ سے حدیث کی تاویل وتشریح کر دیتے ہیں کہ یہ غرض ہے، دوسرے لفظ میں یہ سمجھو کہ حدیث میں جو عموم واحتمالات ہیں اس سے خاص حکم مراد ہے۔

(۳) بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ امام بخاری ترجمہ خاص منعقد فرماتے ہیں اور حدیث میں عموم ہوتا ہے، گویا یہ بتلاتے ہیں کہ حدیث میں خاص معنی مراد ہے، یہ تعیین دوسرے دلائل سے ہوگی۔

(۴) یہی صورت مطلق ومقید میں ہے کہ یہ حدیث مقید ہے تو ترجمہ مطلقہ ذکر کر کے بتلا دیتے ہیں کہ قید احترازی نہیں ہے، کہیں ترجمہ میں تقیید فرماتے ہیں اور حدیث میں اطلاق ہوتا ہے، گویا یہ بتاتے ہیں کہ اطلاق ظاہر پر نہیں ہے۔

(۵) اسی طرح حضرت امام بخاری تفصیل مجمل، شرح مشکل، توضیح غامض وغیرہ کرتے ہیں، بیشتر مواقع میں یہ طرز جو اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ پیش آئی کہ امام کو اپنے مدعا کے اثبات کے لئے ان کی شرط کے موافق روایت نہ ملی، اس لئے استدلال میں یہ طریقہ اختیار کیا، بعض مرتبہ یہ "تشحیداً للأذھان" کرتے ہیں، بعض وقت ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ قریب میں کوئی روایت مطابق ترجمہ گزر گئی یا آئے گی تو ناظر دیکھ لے گا کہ یہ روایت موافق ہے اور اس کو خلجان نہیں پیش آئے گا۔

(۶) بعض وقت یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ ایسا ترجمہ منعقد کریں گے جو دیکھنے میں قلیل الجدوی ہو، لیکن غور کرنے سے اس میں فائدہ معلوم ہوگا، مثلاً: "باب قول الرجل ما صلینا" اسی طرح "باب قول الرجل فاتتنا الصلاۃ" تو ناظر کہے گا کہ اس میں کیا فائدہ ہے؟ اگر خارج سے معلومات ہوں گی تو معلوم ہوگا کہ امام بخاری اس کو ذکر کر کے ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو اس قول کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

(۷) بعض وقت ترجمہ بصیغہ استفہام ذکر کرتے ہیں، یہ اس وقت کرتے ہیں جب

امام بخاری کو مختلف احوال نظر آئیں یا استفہامی ترجمہ قائم کر کے روایات سے جواب دیتے ہیں کہ اثباتی پہلو مراد ہے یا منفی۔

(۸) بسا اوقات مبہم ترجمہ مقرر کرتے ہیں جو اثبات ونفی دونوں کیلئے محتمل ہے، علامہ ابن المنیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری ایسا اس وقت کرتے ہیں جب بخاری کو کوئی بات ظاہر نہ ہو۔

(۹) بعض وقت بخاری ترجمہ ذکر کر کے مختلف نوع کی روایت ذکر کرتے ہیں، ایسے وقت بھی ابن المنیر فرماتے ہیں کہ مختلف بات بتلاتے ہیں تا کہ ناظر دیکھ لے۔

(۱۰) بعض وقت امام بخاری ترجمہ منعقد کرتے ہیں؛ لیکن ان کا مقصود وہ نہیں ہوتا ہے بلکہ وراء الوراء کوئی اور مقصد ہوتا ہے، جیسا کہ امام بخاری نے ''باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب'' ذکر کیا ہے، اس کی غرض ظاہر بظاہر یہ ہے کہ ادراک رکعت بیان کرنا ہے، لیکن اصل غرض یہ بیان کرنا ہے کہ عصر کا وقت غروب تک رہتا ہے، اس طرح سے امام بخاری نے بہت سے تراجم منعقد کئے جس میں روایات ترجمہ کے مطابق نہیں ہیں۔

(۱۱) بعض وقت باب ذکر کر کے اشارہ کرتے ہیں کہ اس میں اشارہ یہ ہے کہ اس میں توسع ہے جیسے باب الدعاء فی الصلاۃ کہہ کر صلاۃ کسوف کی حدیث کو ذکر کر دیا، حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ اس میں توسع ہے، شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ بسا اوقات امام مصنف ابن ابی شیبہ پر رد کرتے ہیں۔

(۱۲) بعض اوقات امام بخاری ترجمہ سے تاریخی واقعہ ذکر کرتے ہیں، جیسے جہاں سیرت نبویہ پر ابواب منعقد کریں گے وہاں پر شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے مواقع پر خاص تاریخ بتلانا چاہتے ہیں جس کو محمد بن اسحاق نے مغازی میں نقل کیا ہے لیکن وہ شرط کے مطابق نہیں ہے، اس لئے اس اشارہ پر اکتفا کیا۔

(۱۳) بعض وقت اقوام کے آداب پر ابواب باندھتے ہیں، یہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بیان کیا ہے۔

(۱۴) اسی طرح سے امام بخاری ترجمہ منعقد کرتے ہیں اور اس میں علی التوالی کئی روایات آ رہی ہیں، اور کسی روایت میں کوئی خاص فائدہ ہے تو اس پر باب قائم کر کے تنبیہ کردی، اسی کو باب فی الباب کہتے ہیں، یہ چیز ذہن میں آئے تو اشکال ختم ہو جائے۔

(۱۵) شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک وجہ اور بتلائی کہ کہیں صرف باب ذکر کرتے ہیں، جہاں حاء تحویل مراد ہے لیکن اس کی صرف ایک مثال ہے کتاب بدءالخلق میں۔

(۱۶) امام بخاری کا ابواب میں خاص طرز یہ ہے کہ عامۃً ابواب دعاوی ہیں اور احادیث دلائل، بسا اوقات امام بخاری نے ایسا کیا کہ باب کے ذریعہ سے حدیث کے معنی کی تشریح کردی، علامہ سندی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے تراجم شارحہ وغیر شارحہ میں تفصیل نہ کیا ان کو خلجان واقع ہوا، تراجم کا شارحہ ہونا حافظ ابن حجر کے کلام میں بھی موجود ہے۔

(۱۷) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری جو احادیث بیان کرتے ہیں اس میں جو حدیث مصنف کے شرط کے مطابق ہے تو تحدیث وعنعنہ سے نقل کرتے ہیں اور اگر وہ شرط منصف پر نہیں لیکن قابل للا حتجاج ہے تو دوسرے صیغہ سے نقل کرتے ہیں یا تعلیقا روایت کرتے ہیں، بعض وقت روایت شرط پر نہیں ہوتی ہے لیکن روایت استیناس کے قابل ہے اور قیاس پر مقدم ہے، تو وہاں ترجمہ میں اس کو ذکر کرتے ہیں، پھر اثر یا آیت سے اس کی تائید کرتے ہیں۔

(۱۸) بخاری کے بیشتر تراجم ایسے ہیں کہ جہاں کوئی حدیث ذکر نہ کی، کہیں پر نفس باب و حدیث مذکور ہے، لیکن ترجمہ مذکور نہیں۔(۱)

دو تراجم میں فرق

آپ کے پاس آپ کے استاذ حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ علیہ کی

(۱) الفیض الجاری جلد ا/صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۳۔

جانب سے درج ذیل سوال آیا:

''بخاری شریف صفحہ ۱۰۸۰ پر باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باب الاقتداء بافعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں عموم وخصوص مطلق کے علاوہ کوئی اچھا فرق کر سکو تو اچھا ہے، تاکہ دونوں ابواب کی غرض واضح ہو جائے''۔

آپ نے جواب تحریر فرمایا:" الفرق بين البابين من أربعة أوجه:

الأول: أن الظاهر من الأحاديث المذكورة فى باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن المراد بالسنة التى سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم لأمته تشريعا على أصنافها المتنوعة من فرض أو واجب أو سنة أو غير ذلك، والمراد من باب الاقتداء بأفعال النبى صلى الله عليه وسلم الاقتداء بأفعاله التى لم تكن على وجه التشريح ، ولايكون هناك دليل على كونها مخصوصة بالنبى صلى اللّٰه عليه وسلم۔

والثانى: ماذكره فى فيض البارى(٤ / ٥٠٨) فى باب الاقتداء بأفعال النبى صلى الله عليه وسلم قال: دخل يعنى البخارى فى بيان أفعال النبى صلى الله عليه وسلم بعد الفراغ عن حكم أقواله، انتهى۔

وفيه أن السنة تعم الأقوال والأفعال، إلا أن يقال إن قرينة التقابل اقتضت هذا التفريق، ولكن ذكر بعض أهل الأصول أن السنة تخص بالأفعال، فعلى هذا، هذا التفريق مشكل۔

والثالث: أن المراد بالباب الأول أعنى باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما يعم الأفعال والأقوال، ثم بنوعيها من الإخبار والإنشاء من الأمر والنهى ، فهو إذاً باب جامع، ثم ذكر تفاصيله فى أبواب مستقلة فعقد للأفعال بابا فقال: باب الاقتداء بأفعال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وعقد

للإنشاء بابا على حدة فقال: باب نهى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم على التحريم إلا ماتعرف إباحته، وكذلك أمره إلى آخره، ولعله لم يذكر للإخبار بابا لأنه عقد كتاب الأحكام، فالمناسب إذاً ما يتعلق بالأحكام، أو هو داخل فى أنه أفعال.

والرابع أن الغرض بالباب الأول بيان مراتبة السنة وأنها مما تتبع ولاتترك هكذا، والغرض من بال الاقتداء بالأفعال مايتوهم من قوله إنه إذا وقع التعارض بين القول يترجح القول لاحتمال أن يكون الفعل مخصوصاً بالنبى صلى اللّٰه عليه وسلم فدفع بذلك توهم الاختصاص، وأنها مماتتبع إلا أن يقوم دليل مخصوص، واللّٰه اعلم۔

إضافة: والوجه الخامس أن الغرض من باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بيان وجوب الاقتداء بها، والغرض من باب الاقتداء بأفعال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الإشارة إلى مسالة خلافية ذكرها الحافظ ابن حجر۔(۱)

نسخوں کے اختلاف کی تحقیق

دنیا کی تمام کتابوں کی طرح صحیح بخاری کے نسخوں میں بھی اختلاف ہیں، ان میں بعض اختلافات اہم ہیں، آپ اپنے دروس وتحریروں میں ان پر بھی روشنی ڈالتے تھے، مثلاً صحیح بخاری کی کتاب التوحید کا نام ہندوستانی نسخوں میں ہے ’’کتاب الرد علی الجهمية وغيرهم التوحيد‘‘ اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’ہمارے ہندی نسخوں میں جو عنوان ہے، وہ شراح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا ہے، شراح کرام نے جو نسخے نقل کئے ہیں وہ پانچ

(۱) الیواقیت جلد ۱/۱۶۸ تا ۱۷۰۔

ہیں جس کو میں علی الترتیب بیان کرتا ہوں:

(۱) اکثر نسخے میں کتاب التوحید ہے۔

(۲) مستملی سے علامہ قسطلانی نے کتاب الرد علی الجہمیۃ کا عنوان نقل کیا ہے۔

(۳) علامہ زین زکریا نے کتاب التوحید والرد علی الجہمیۃ نقل کیا ہے۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے مستملی سے کتاب التوحید، الرد علی الجہمیۃ وغیرہم نقل کیا ہے، مستملی سے علامہ قسطلانی کے اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے نقل میں فرق ہے۔

(۵) علامہ ابن بطال اور ابن التین نے کتاب رد الجہمیۃ وغیرہ التوحید نقل کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نسخہ میں دو نسخے ملا دیئے گئے، ایک مشہور نسخہ یعنی کتاب التوحید اور دوسرا نسخہ جو مستملی کے حوالہ سے ابن حجر وغیرہ نے نقل کیا ہے یعنی الرد علی الجہمیۃ وغیرہم، مگر کیا یہ کہ تقدیم و تاخیر کردی، ہونا یوں چاہئے تھا کہ کتاب التوحید والرد علی الجہمیۃ وغیرہم۔(۱)

مکررات صحیح بخاری

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیثوں کی تکرار کثرت سے کی ہے، اس کی وجہ احکام ومسائل کا استنباط ہے، اگر ایک ہی حدیث سے مختلف مسائل واحکام پر استدلال ہوسکتا ہے، تو امام بخاری اس حدیث کا مطلوبہ مقامات پر اعادہ کرتے ہیں، عام طور سے مکرر احادیث کی سند یا متن میں کچھ اختلاف ہوتا ہے تاہم صحیح بخاری میں ایسی مکرر حدیثیں بھی ہیں جن کا متن وسند ایک ہی ہے، حضرت شیخ شاید پہلے ماہر بخاری ہیں جنھوں نے پوری بخاری شریف سے ان مکررات کو اکٹھا کرنے کی جدوجہد کی، انہیں آپ نے (جزء ارشاد القاصد إلی ما تکرر فی البخاری بإسناد واحد) کے نام سے مرتب کیا ہے، یہ جزء

(۱) الفیض الجاری آخری جلد ۳۴۳-۳۴۴۔

الیواقیت الغالیۃ کی تیسری جلد میں شامل ہے،اس میں اس طرح کی ایک سو ساٹھ حدیثیں جمع ہیں۔

اس جزء کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں: یہ چند احادیث ہیں جو ایک ہی سند اور متن کے ساتھ بخاری شریف میں مکرر ہیں، اس کتاب کی تدریس کے دوران اور بعض دیگر اوقات میں ان پر واقفیت ہوئی، کچھ مخلصین نے دوستوں کے نفع عام کی خاطر ان کو منظر عام پر لانے کے لئے مجھے آمادہ کیا۔

اس کے بعد شیخ نے تذکرہ کیا کہ دو حدیثیں ایسی ہیں جن کو امام بخاری نے ایک ہی سند سے دس بار ذکر کیا ہے، ایک حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ان کی توبہ کے متعلق اور دوسری زکاۃ کی فرضیت کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، دونوں حدیثیں طویل ہیں، پہلی حدیث کو ہر جگہ مکمل ذکر کیا ہے، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث متفرق طور پر ذکر کی ہے، شیخ نے مزید فرمایا ہے کہ جو حدیثیں ایک ہی سند سے پانچ یا اس سے کم مکرر ہیں، ان کی تعداد زیادہ ہے۔

اس جزء میں پہلی حدیث کتاب الإیمان کی حدیث ۳۱/ ہے:"حدثنا عبدالرحمن بن المبارك، حدثنا حماد بن زيد، حدثنا ايوب ويونس، عن الحسن، عن الأحنف بن قيس، قال: ذهبت لأنصر هذا الرجل فلقيني أبو بكرة فقال: اين تريد؟ قلت: أنصر هذا الرجل، قال: ارجع فإني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار، فقلت يارسول اللّٰه! هذا القاتل فما بال المقتول؟ قال إنه كان حريصا على قتل صاحبه"اس حدیث کو امام بخاری نے اسی سند و متن کے ساتھ مکمل کتاب الدیات میں ذکر کیا ہے۔

اس جزء کی آخری حدیث ۱۴۱/۷و۳۱۶/۷/ ہے:"حدثنا شهاب بن عباد، حدثنا

إبراهيم بن حميد، عن إسماعيل، عن قيس، عن عبدالله، قال، قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم لاحسد إلا فی اثنتين رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته فی الحق، وآخرآتاه الله حكمة فهويقضى بها ويعلمها" **اس حدیث کا کتاب الاحکام اور کتاب الاعتصام میں بھی اعادہ کیا ہے۔**

شیخ حامد البخاری تحریر فرماتے ہیں: "كان إذا قرى عليه الحديث من صحيح البخاری يذكرمواضع تكرارالحديث فی الصحيح على الترتيب بابا بابا مع ذكراختلاف الفاظ ذاك الحديث فی تلك المواضع"۔(۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے حسن بصری کی روایت ہے: ''کتاب الایمان، باب اتباع الجنائز من الایمان'' میں ذکر کردہ حدیث کی سند میں ہے: "حدثنا عوف عن الحسن ومحمد عن أبی هريرة".

فرماتے ہیں: بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن بصری کی روایت کردہ صرف تین حدیثیں ہیں اوران تینوں میں حسن بصری کے ساتھ کسی اور راوی کا اقتران ہے یعنی امام بخاری نے حسن بصری پر اکتفاء نہیں کیا ہے)ان میں سے ایک یہ حدیث ہے، دوسری کتاب الانبیاء، باب فی ذکر موسی اور کتاب التفسیر میں ہے، جس میں محمد بن سیرین اور خلاس بن عمرو کا اقتران ہے اور تیسری کتاب بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب فی شراب أحدکم ،اس میں بھی ابن سیرین کا اقتران ہے، ان تمام جگہوں پر اعتماد ابن سیرین پر ہے، کیونکہ ناقدین حدیث کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ سے حسن بصری کا سماع ثابت نہیں ہے۔(۲)

بعض مرویات کا شمار

کبھی کبھی ضرورت کے مطابق یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس صحابی یا سند کے کسی راوی کی کتنی

(۱) قلائد المقالات والذکریات ص ۱۷۹۔

(۲) نبراس الساری جلد ۱ر صفحہ ۲۲۸-۲۲۹۔

حدیثیں ہیں، مثلاً کتاب الایمان میں بیعت سے متعلق حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۱۸) کی شرح کے دوران فرماتے ہیں: ''حضرت عبادہ کی بخاری شریف میں نو حدیثیں ہیں اور اس حدیث کو امام بخاری نے دس بار ذکر کیا ہے''۔(۱)

''باب الصلاۃ من الإِمان'' میں تحویل قبلہ سے متعلق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''حضرت براء کی اڑتیس احادیث ہیں اور اس حدیث کو پندرہ جگہوں پر ذکر کیا ہے''۔(۲)

قبض العلم کی حدیث

کتاب العلم، باب قبض العلم میں ہشام بن عروہ کی مشہور حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: یہ حدیث مشہور ہے اور علماء نے اس کے طرق بیان کرنے کے لئے کتابیں لکھیں ہیں، جن میں محمد بن اسلم الطّوسی، نصر بن ابراہیم المقدسی اور دوسروں کے نام شامل ہیں، خطیب بغدادی نے تین جزء میں اس کے طرق بیان کئے ہیں، ہشام بن عروہ سے ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ہے، ان کے والد عروہ سے بھی ایک جماعت نے عبداللہ بن عمرو سے بھی ایک جماعت نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک جماعت نے، ہشام بن عروہ سے اس کی روایت کرنے والی بہت بڑی تعداد ہے، ابو القاسم بن مندہ نے کتاب التذکرہ میں ہشام سے روایت کرنے والوں کے نام جمع کئے ہیں، ان کی تعداد چار سو ستر سے زیادہ ہے، جن لوگوں نے مشہور کتابوں میں ہشام سے اس کی روایت کی ہے وہ چالیس سے زیادہ ہیں، اس کے بعد شیخ نے مکمل حوالوں کے ساتھ ان مراجع کی نشاندہی کی ہے۔

---

(۱) نبراس الساری جلد ۱/صفحہ ۱۴۸۔

(۲) نبراس الساری جلد ۱/صفحہ ۲۱۱۔

عام شراح سے اختلاف

کتاب العلم میں باب فضل العلم کی تکرار ہے، علامہ بدرالدین العینی نے عمدۃ القاری جلد۲ر صفحہ ۸۵ر میں اس تکرار کا اشکال دور کرنے کی دو وجوہات بیان کی ہیں، ایک یہ کہ بخاری کے عام نسخوں میں پہلی جگہ باب فضل العلم کا ترجمہ موجود نہیں ہے، دوسرے یہ کہ پہلی جگہ علماء کی فضیلت کی طرف متنبہ کرنا مقصود ہے، اور دوسری جگہ علم کی فضیلت کی طرف، شیخ ان دونوں وجوہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، حافظ ابن حجر پہلی جگہ پر ترجمہ کے سقوط کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی نسخہ سلطانیہ جلد۱ر صفحہ ۲۲ر میں سقوط باب کا رمز ہے، اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ نسخوں میں اختلاف ہے، تب بھی ترجیح ان نسخوں کو حاصل ہوگی جن میں ترجمۃ الباب مذکور ہے، کیونکہ فضیلت ذکر کرنے کے لئے وہی جگہ مناسب ہے، فضیلت، رغبت اور شوق دلانے کے لئے ذکر کی جاتی ہے اور اس کے لئے پہلی جگہ اولی ہے، کتاب العلم کے علاوہ دوسری جگہوں میں بھی بخاری نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے، اور اس جگہ مذکور دونوں آیتیں بھی فضیلت علم پر دال ہیں اور جب علم کی فضیلت ثابت ہوگئی تو علم سے متصف یعنی عالم کی فضیلت بھی ثابت ہوگئی، لہٰذا ایک ہی ترجمہ سے دونوں باتیں حاصل ہوگئیں۔(۱)

باب قبلۃ اہل المدینۃ واہل الشام والمشرق کے ترجمہ کے سلسلہ میں شارحین میں اختلاف ہے، ان اختلافات پر سیر حاصل بحث کی ہے، ان میں ایک رائے شیخ حضرت مولانا زکریا کاندھلوی کی رائے ہے، وہ یہ ہے کہ مصنف یعنی بخاری نے اس ترجمہ سے وضاحت کی ہے کہ اہل مدینہ اور جو لوگ ان کی سمت میں ہیں ان کا قبلہ نہ مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں، ایسا لگتا ہے کہ اس سے امام مزنی کے شاگرد ابوعوانہ کی تردید کرنی چاہی

---

(۱) نبراس الساری جلد۱ر صفحہ ۳۴۸-۳۴۹۔

ہے، انھوں نے پہلی جلد صفحہ ۱۹۹/ پر کہا ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے اور پشت کرنے کی ممانعت اہل مدینہ اور جولوگ مدینہ کی سمت میں ہیں ان کے ساتھ مخصوص ہے، جن لوگوں کا قبلہ مشرق یا مغرب کی جہت میں ہے ان کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا یا پشت کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مشرق کی طرف رخ کرو یا مغرب کی طرف، مصنف نے اس ترجمہ سے متنبہ کیا ہے کہ ممانعت کا حکم عام ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''مشرق کی طرف رخ کرو یا مغرب کی طرف'' اہل مدینہ واہل شام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ان کا قبلہ مشرق ومغرب میں نہیں ہے، شیخ فرماتے ہیں: یہ توجیہ دو حیثیتوں سے قابل غور ہے، ایک یہ کہ یہ مقصود صرف ابواب استنجاء کے مناسب ہے، دوسرے یہ کہ ابوعوانہ جن کا نام یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی ہے، امام بخاری کے بعد کے زمانہ کے ہیں، ان کی وفات امام بخاری کے ساٹھ سال بعد سن تین سو سولہ میں ہوئی، یہ رائے ابوعوانہ سے پہلے کسی سے مشہور نہیں، لہٰذا اس کی تردید کی کوئی وجہ نہیں''۔(۱)

شراح پر تعقب

کتاب الایمان ''باب خوف المومن ان یحبط عملہ وھو لا یشعر'' میں ہے: وقال ابن ابی ملیکہ، ادرکت ثلاثین من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یخاف علی نفسہ النفاق، ابن أبی ملیکہ کا یہ اثر امام بخاری نے صیغہ جزم سے معلقاً ذکر کیا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں: ''اس اثر کو امام بخاری نے اپنی تاریخ جلد۳/صفحہ ۱۳۷/ میں انہی الفاظ میں مکمل ''موصولا عن محمد بن سعید بن الاصبھانی عن یحییٰ بن الیمان عن سفیان عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکة '' ذکر کیا ہے، اور ابوزرعہ الدمشقی نے بھی اپنی تاریخ جلد۱/۵۱۵/ میں اسی اسناد سے نقل کیا ہے، اس کی اسناد حسن

(۱) الیواقیت الغالیۃ جلد۳/۱۶۵-۱۶۶۔

قوی ہے، اس کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں، سوائے یحییٰ بن الیمان کے، جن سے بخاری نے الادب المفرد میں روایت کی ہے اور مسلم نے بھی ان سے اصول میں حدیث نقل کی ہے، ابن رجب کو یہ سند مستحضر نہیں تھی، اپنی شرح میں اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ بخاری ے اسے صیغہ جزم سے کیوں ذکر کیا۔(۱)

کتاب الوضوء "باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان" میں علامہ عینی کا یہ قول کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات جیسے پیشاب، خون وغیرہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک طاہر ہیں، نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: عینی نے امام ابوحنیفہ سے جو نقل کیا ہے وہم ہے، میں نے امام محمد کی کتابوں الموطا، کتاب الآ ثار، کتاب الحجۃ، المبسوط، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، السیر الکبیر میں اس مسئلہ کا کوئی ذکر نہیں پایا، نہ ہی امام طحاوی نے شرح معانی الآ ثار، شرح مشکل الآ ثار، المختصر، احکام القرآن اور اختلاف العلماء میں اس کا کوئی ذکر کیا ہے، اور نہ ہی معتبر متون مختصر القدوری، کنز الدقائق، النافع، الوقایہ، المختار، تحفۃ الفقہاء، بدائع الصنائع اور ہدایہ وغیرہ میں اس کا کوئی ذکر ہے۔(۲)

مسامحات ابن حجر

حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری کی اہمیت وعلمی قیمت مسلم ہے، بمقتضائے بشریت ابن حجر سے بھی کہیں کہیں تسامح ہوا ہے، مولانا انور شاہ کشمیری نے ایک بار فرمایا: ''حافظ سے بھی حوالے وغیرہ بہت غلط ہوئے ہیں، میرے کم غلط ہوں گے اور حافظ کو بعض قیود حدیث بھی محفوظ نہیں رہیں اور میں ان ہی قیود سے جواب دہی کرتا ہوں''۔(۳)

شیخ نے فتح الباری پر اپنے نوٹس میں اور بعض دوسری تحریروں میں ابن حجر پر تعقبات کئے ہیں، ایک مرتبہ راقم سطور نے عرض کیا کہ اگر ان تعقبات واستدراکات کو یکجا کر دیتے

(۱) نبراس الساری جلد ا رصفحہ ۲۳۴۔ (۲) نبراس الساری جلد ا رصفحہ ۴۴۷۹۔
(۳) ملفوظات محدث کشمیری صفحہ ۲۳۰-۲۳۱۔

تو ایک مفید کام ہو جاتا، فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ ابن حجر پر تنقید کریں، ان تعقبات کو میں نے اپنی مختلف تحریروں میں منتشر کر دیا ہے، جو ان کا مطالعہ کرے گا اسے مل جائیں گے، یہاں بعض مثالیں دی جاتی ہیں:

صحیح بخاری میں ''باب عظة الامام الناس فی اتمام الصلاة وذکر القبلة'' کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے:" قال هل ترون قبلتی هنا فوالله ما یخفی علی خشوعکم ولا رکوعکم، إنی لاراکم من وراء ظهری" حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے لئے باب علامات النبوة کا حوالہ دیا ہے، اس کی تحقیق کے متعلق ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: حافظ ابن حجر کو حوالہ میں سہو واقع ہو گیا ہے، امام بخاری نے باب مذکور میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، اول حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اور ثانی حضرت انسؓ کی حدیث، حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث بخاری شریف میں صرف دو جگہ ہے، اول اس باب میں اور ثانی باب الخشوع فی الصلاة میں، صرف انہیں دو جگہوں کا حوالہ علامہ عینی نے عنوان ذکر تعدد موضعہ ومن اخرجہ غیرہ کے تحت اجمالا دیا ہے، فرماتے ہیں:" اخرجه البخاری ایضا هنا عن اسماعیل عن مالك، وأخرجه مسلم ایضا فی الصلاة عن قتیبة عن مالك، انتهی، ہنا سے مراد کتاب الصلاة ہے، یہاں پر تو امام بخاری نے بطریق عبداللہ بن یوسف عن مالک تخریج کی ہے، اور باب الخشوع میں بطریق اسماعیل بن ابی اویس عن مالک کی ہے۔

اور صرف انہیں دو جگہوں کا حوالہ اصحاب الاطراف نے دیا ہے، قال النابلسی فی ذخائر المواریث (۱۰۵/۴) حدیث:"هل ترون قبلتی بنا فوالله ما یخفی علی رکوعکم ولا سجودکم إنی لأراکم من وراء ظهری(خ) فی الصلاة عن عبدالله بن یوسف وعن اسماعیل (م) فیه عن قتیبة (ط) فی الصلاة عن أبی الزناد.

اس کے بعد آپ نے حضرت انس کی حدیث کی بھی تخریج فرمائی۔(۱)

(۱) الیواقیت الغالیۃ جلد ۱ / صفحہ ۲۷۸-۲۷۹۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کتاب الرقاق کے باب ''یدخلون الجنة سبعون الفا بغیر حساب'' کے آخر میں لکھا ہے: ''تنبیہ! یہ حدیثیں اس حدیث کے عموم کی تخصیص کرتی ہیں جسے مسلم نے ابو برزہ الاسلمی سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''لاتزول قدماعبديوم القيامة حتى يسأل عن أربع، عن عمره فيما أفناه، وعن جسده فيما أبلاه، وعن علمه فيماعمل به، وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه''۔

شیخ فرماتے ہیں: ''مجھے یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں ملی، ہاں ترمذی نے کتاب الزہد میں اور الدارمی نے کتاب العلم میں اسے نقل کیا ہے، صاحب الذخائر نے اطراف ستہ میں اسے صرف ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے، حافظ منذری کتاب الترغیب والترہیب کے ''باب الترہیب من ان یعلم ولایعمل'' میں اسے صرف ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے، اوراسی طرح ترغیب کے آخر میں فصل ذکر الحساب وغیرہ میں بھی، جہاں فرماتے ہیں: ''رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح''۔

زرقانی نے شرح مواہب میں بھی اسے ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے، قسطلانی کو یہاں پرایک وہم ہوا ہے، انہوں نے ترمذی کی طرف منسوب کرکے فرمایا کہ یہ ابوہریرہ کی حدیث ہے، جب کہ ترمذی میں یہ ابو برزہ کی حدیث ہے۔(۱)

(۱) الیواقیت الغالیة جلد۲ صفحہ ۳۵۰۔

اہل علم کے لئے بعض دیگر مسامحات بھی لکھ دئے جاتے ہیں:

۱ – قال رحمه الله فى الفتح ، فى باب وكان عرشه على الماء، من كتاب التوحيد۱۳/۲۴۹ ويؤيد أن فى حديث أبى سعيد المرفوع الذى أخرجه ابو داؤد وصححه الترمذى وابن حبان، ويقال لصاحب القرآن: اقرأ وارق ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا، فإن منزلك عند آخر آية تقرأها: قلت (القائل الشيخ يونس) ليس هذا اللفظ فى الترمذى وأبى داود من حديث أبى سعيد، بل أخرجاه من حديث عبدالله بن عمرو بن العاص، أخرجه الترمذى فى فضائل القرآن(۲/ ۱۲۰) وأبو داؤد فى الصلاة (۲/۳۴۲بذل) ووهم المنذرى فعزاه فى الترغيب لابن ماجه من حديث عبدالله بن عمرو، وليس فى ابن ماجه من حديث عبدالله بن عمرو بن العاص، نعم أخرجه أحمد وابن ماجه عن ابى سعيد الخدرى مرفوعا بلفظ : يقال لصاحب القرآن يوم القيامة إذا دخل الجنة : اقرأ واصعد فيقرأ ويصعد بكل آية درجة حتى يقرأ آخر شئ معه. ......

مرجعیت

اس مختصر جائزہ سے کسی قدر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ بخاری فہمی میں آپ کسی کے مقلد نہیں تھے، بلکہ آپ دلائل وبراہین کی روشنی میں بات سننے اور کہنے کے عادی تھے، اور

٢- قال الحافظ فی باب مایذکر فی الطاعون(١٠/ ١٥٤) من كتاب الطب بعد ذكر حديث ابی موسی رفعه:"فناء امتی بالطعن والطاعون، قيل: يا رسول الله! هذا الطعن قد عرفنا فما الطاعون؟ قال: وخز أعدائكم من الجن، أخرجه احمد والبزار والطبرانی، وصححه ابن خزيمه والحاكم، تنبيه : يقع فی ای الألسنة وهو فی النهاية لابن الأثير تبعاً لغريبی الهروی بلفظ "وخز إخوانكم" ولم أره بلفظ "إخوانكم" بعد التتبع الطويل البالغ فی شئ من طرق الحديث المسند، لافی الكتب المشهورة ولا الأجزاء المنشورة، وقد عزاه بعضهم لمسند أحمد أو الطبرانی أوكتاب الطواعين لابن ابی الدنيا، ولا وجود لذلك فی واحد منها، انتهی، قلت (القائل الشيخ يونس): أخرج الحاكم فی كتاب الايمان من المستدرك جلد١/صفحه ٥٠، عن أبی بكربن أبی موسی قال:ذكر الطاعون عن أبی موسی الأشعری فقال أبو موسی سألنا عنه رسول الله صلی الله عليه وسلم، فقال: وخز إخوانكم أو قال أعدائكم من الجن، وهو لكن شهادة، انتهی، هكذا علی الشك وخز إخوانكم أو قال أعدائكم، وقال: هذا حديث صحيح علی شرط مسلم، وأقره الذهبی، ولفظه فی تلخيص المستدرك كلفظ الحاكم علی الشك۔

٣- عن عتبة بن عبدالسلمی قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: مامن مسلم يموت له ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث إلا تلقوه من أبواب الجنة الثمانية من أيها شاء دخل"، أخرجه ابن ماجه فی الجنائز من سنة (١١٦) فی باب ما جاء فی ثواب من أصيب بولده، والإمام أحمد (١٨٣/٤-١٨٤) فی مسنده، وأشار الترمذی فی الفتح(٢٣٥/٦) إلی أن الترمذی أخرجه، فقال فی باب صفة أبواب الجنة: وقد وردت هذه العدة يعنی الثمانية لأبواب الجنة فی عدة أحاديث إلی أن قال: وعن عتبة بن عبد عندالترمذی وابن ماجه، قلت (القائل الشيخ يونس): قال شيخنا لم أجده فی الترمذی، وكذا لم أجده أنا فی الترمذی وقد عزاه العينی فی شرح البخاری فی باب فضل من مات وله ولد فاحتسب، إلی ابن ماجه فقط، وكذا عزاه صاحب الذخائر(٢٢٩/٢) إلی ابن ماجه فقط، وليس فی الكتب الستة حديث فيه ذكر الأبواب إلا هذا الحديث، وكذا عزاه المنذری فی الترغيب(٢/ ٥١) فيمن مات له ثلاثة من الأولاد إلی ابن ماجه فقط فقال: رواه ابن ماجه بإسناد حسن.

٤- قال فی التلخيص الجير(ص ٨٧) فی باب صفة الصلاة: حديث أنه صلی الله عليه وسلم قرأ بفاتحه الكتاب فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم وعدها: "رواه الشافعی والطحاوی وابن خزيمة والدار قطنی والحاكم من طريق ابن جريج عن ابن أبی مليكة عن أم سلمة، انتهی ملخصاً، ثم قال بعد ذلك مانصه: وأعل الطحاوی الخبر بالانقطاع فقال: لم يسمعه ابن أبی مليكة من أم سلمة، واستدل علی ذلك برواية الليث عن ابن أبی ملكية عن يعلی بن مملك عن أم سلمة، واستدل علی ذلك برواية الليث عن ابن أبی ملكية عن يعلی بن مملك عن أم سلمة أنه سألها عن قراءة رسول الله صلی الله عليه وسلم ....

اخبار واحادیث میں صحت وتدقیق کا پورا پاس کرتے، آپ نے اس کتاب کے پڑھانے اوراس کے متعلق تحریر کرنے میں بخاری کے طریقہ کارہی کی پیروی کی ہے، یہی وجہ ہے کہ فن حدیث میں آپ عرب وعجم میں یکساں مقبول تھے، اورآپ کی مرجعیت پراہل علم وفضل کا اتفاق تھا، حدیث کے دقائق کو سمجھنے کے لئے نگاہیں آپ کی طرف اٹھتیں، اورطلبہ حدیث کوآپ کے جواب سے تشفی ہوتی، شیخ نظام الیعقوبی فرماتے ہیں:"إن شيخنا العلامة المحدث، الفقيه العارف بالله محمديونس الجونفورى، شيخ الحديث

......فنعت له قراءة مفسرة حرفاحرفا، قال الحافظ: وهذا الذى أعله به ليس بعلة، فقد رواه الترمذى من طريق ابن أبى ملكية عن أم سلمة بلا واسطة وصححه ورجحه على الإسناد الذى فيه يعلى بن مملك، انتهى، قلت(القائل الشيخ يونس): فيه وهم فإن الترمذى عكس ما حكاه عنه الحافظ، ونص كلام الترمذى فى فضائل القرآن فى باب ما جاء كيف كانت قراءة النبى صلى الله عليه وسلم: حدثنا قتيبة، حدثنا الليث عن عبدالله بن عبيدالله بن أبى ملكية عن يعلى بن مملك أنه سأل أم سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم عن قراءة النبى صلى الله عليه وسلم فقالت: ومالكم وصلاته؟ وكان يصلى ثم ينام قدر ما صلى ثم يصلى قدرما نام ثم ينام قدر مايصلى حتى يصبح، ثم نعتت قراءته فإذا هى تنعت قراءة مفسرة حرفا حرفا، هذا حديث حسن غريب لانعرفه إلا من حديث الليث بن سعد عن ابن أبى مليكة عن يعلى بن مملك عن أم سلمة، وقد روى ابن جريج هذا الحديث عن ابى مليكة عن أم سلمة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقطع قراءته، وحديث الليث أصح، انتهى، وقال فى أبواب القراءات: حدثنا على بن حجر نا يحيىٰ بن سعيد الأموى عن ابن جريج عن ابن أبى ملكية عن أم سلمة، قالت: كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقطع قراءته، يقرأ (الحمدلله رب العالمين) ثم يقف (الرحمن الرحيم) ثم يقف وكان يقرأها(ملك يوم الدين)، هذا حديث غريب، وبه يقرأ أبو عبيدة ويختاره، وهكذا روى يحيى بن سعيد الأموى وغيره عن ابن جريج عن ابن أبى مليكة عن أم سلمة، وليس إسناده بمتصل، لأن الليث بن سعد روى هذا الحديث عن ابن أبى مليكة عن يعلى بن مملك عن أم سلمة أنها وصفت قراءة النبى صلى الله عليه وسلم حرفاً حرفاً، وحديث الليث أصح، وليس فى حديث الليث وكان يقرأ(ملك يوم الدين) انتهى۔

٥- قال فى التلخيص(٢/ ١٥٩۔ذيل شرح المهذب): روى أحمد وأصحاب اللس من حديث أبى رافع أنه صلى الله عليه وسلم طاف على نسائه ذات ليلة يغتسل عند هذه وعند هذه، فقيل يارسول الله ألا تجعله غسلا واحداً؟ فقال: هذا أزكى وأطيب، قلت (القائل الشيخ يونس): صنيع الحافظ هذا أوهم أن الترمذى أخرجه، ولم أجده فيه ولا عزاه إليه صاحب الذخائر فى أطراف الستة، وتبع الشوكانى(١/ ٢٠١) الحافظ ابن حجر فعزاه للترمذى، وعزاه المنذرى وغيره للنسائى، ولعله الكبرى، وراجع المحلى وحاشية (٢/ ٢٢٢)۔(اليواقيت الغالية ٢/ ٢٥٠-٢٥٣)

لـمـدرسة مـظـاهـر علوم بالهند، كان في سماء العلم نجما ساطعا، وبدرا طالعا لامـعـا، جـذب الـنـاس بضيائه، وبهر بعلمه وفضله وزهده وتقوه وورعه العلماء بصفائه، فتوافدوا عليه، وجثموا للنهل من نميره الصحافي بين يديه“.

ابن حجر سے آپ کا موازنہ

حافظ ابن حجر کی حدیث کے مجموعوں خاص طور سے اجزائے حدیث پر جو نگاہ ہے اس میں ان کا کوئی ہمسر نہیں اور حافظ نے شرح بخاری میں اپنے وسیع مطالعہ سے پورا فائدہ اٹھایا، حافظ ابن حجر کے بعد بخاری شریف کے مقاصد کی تشریح میں اس پایہ کی کامیاب کوشش اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد استاد محترم کے حصہ میں آئی، وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء“ اور یہ کہنے میں کوئی جھجھک نہیں کہ ”لاہجرۃ بعد الفتح“ کا مقولہ کل تک فتح الباری کے لئے بالکل سچ تھا، لیکن اب نہیں۔

حافظ ابن حجر کو بخاری شریف کی محققانہ تدریس کا وہ موقع نہیں ملا جو موقع استاد محترم کو ملا، آپ نے پچاس سال تک بخاری شریف کو پوری تحقیق اور روایت و درایت کے اصول کی روشنی میں پڑھایا، جن حضرات نے بنظر غائر فتح الباری کا مطالعہ کیا ہے، وہ اتفاق کریں گے کہ ابن حجر بخاری شریف کے بعض مشکل مقامات سے سرسری طور پر گزر گئے ہیں، بعض جگہوں پر صرف نقول جمع کرنے پر اکتفا کیا ہے، اور بعض جگہوں پر ان کے ذہن میں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوا، استاد محترم نہ کسی کے مقلد جامد تھے، اور نہ کسی مقام سے سرسری طور پر گزرنے کے عادی، ابن حجر کی قدر دانی کے باوجود ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے، جن مقامات سے ابن حجر اور دوسرے شراح حدیث سرسری طور پر گزر گئے ہیں یا جن کو نظر انداز کر دیا ہے ان کی مکمل تحقیق کرتے، ان دونوں یعنی حافظ ابن حجر اور شیخ یونس

(۱) قلائد المقالات والذكريات صفحه ۷۹.

میں فرق کو جاننے کے لئے شاید یہ مثال کافی ہو، شیخ رئیس بوعلی سینا اور شیخ ابوسعید ابوالخیر دونوں ہم عصر تھے، ابن سینا نے کہا: آنچہ او می بیند ما می دانیم‘‘ شیخ ابوالخیر نے کہا: ’’آنچہ او می داند ما می بینیم‘‘۔

شاید اس میں مبالغہ نہیں کہ بخاری شریف کے دقائق اسناد وروایت کے علم میں آپ حافظ ابن حجر کا ثانی تھے، اوراس کتاب مبارک کی فقیہانہ ومتکلمانہ بحثوں کو واشگاف کرنے اور نکتہ سنجی ونکتہ رسی میں آپ امام ابن تیمیہ کا پرتو تھے، بخاری شریف کے دروس کے دوران آپ کی تحقیقات واجتہادات کو دیکھتے ہوئے اس عاجز کی نگاہوں میں ان دونوں ماہرین حدیث وفقہ کا مقام گردش کرنے لگتا، ان میں اور آپ میں امر جامع وہی بحث وتحقیق ہے، وہی علم صحیح اور فکر صحیح۔

فصل ششم

شیخ یونس اور فقہ

آپ نے اس عہد زوال میں آنکھیں کھولی تھیں جب عالم اسلام عقائد کے اختلافات، اصول وفروع میں تفرق وانتشار اور استشراق وفکر مغربی کی یلغار کے عظیم فتنوں سے گھرا ہوا تھا، آپ نے ان فتنوں اور ان فکری وذہنی پراگندگیوں کو سمجھا اور متضاد ومتحارب گروہوں کی ذہنی ساخت کا صحیح مطالعہ کیا، ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں جس طرح تعصب کا دور دورہ تھا اس ماحول میں آپ کا وجود کسی معجزہ سے کم نہیں تھا، آپ کے اخلاص اور کشادگی نظر نے وسیع الآفاق رہنے میں آپ کی مدد کی، جزئیات میں آپ کے اندر ائمہ سابقین کی سی لچک پیدا کی، صحیح بات خواہ کسی مکتبہ فکر سے آئے اسے قبول کرنے میں آپ نے کوئی تردد نہیں کیا، آپ کو مقلدین وغیر مقلدین کے خانوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا، آپ ان مصنوعی تقسیموں سے ماوراء تھے، بلکہ آپ نے خود کو کبھی کسی جماعت وفرقہ کی طرف منسوب نہیں کیا، آپ اپنے استاذ جناب مولانا اسعد اللہ صاحب کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ: ”ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں، پھر سب کچھ ہیں“، تعصب اس شخص کا حال ہے جس کی خواہشات نے اس کی عقل وفکر کو پابند سلاسل کردیا ہو، جس کے اعصاب کمزور ہوں اور جس کا دائرہ فکر تنگ ہو، آپ کے اندر اس طرح کی کوئی بیماری نہیں تھی۔

فقہی مسلک

ہمارے علاقہ جونپور ومضافات میں سارے لوگ حنفی ہیں، آپ بھی خاندان کے

مسلک کے لحاظ سے حنفی، اور جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی وہ بھی حنفی، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ آپ حنفی تھے، اور اختلافی امور میں دلیل کی پیروی کرتے، اگر دلیل سے حنفی مسلک کی قوت واضح ہوتی تو اس پر عمل کرتے، آپ کے شاگرد برادر مکرم مفتی زید صاحب فرماتے ہیں: ''پوری زندگی آپ حنفی مسلک پر ہی عامل رہے، علم وتحقیق اور دلائل کی روشنی میں اپنے درس میں بسا اوقات دوسرے مسالک کو بھی ترجیح دیا کرتے تھے، اور دوران درس اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ میں بھی حنفی ہوں؛ لیکن تم لوگوں کی طرح مقلد جامد نہیں ہوں، اسی وجہ سے بعض مسائل میں دلائل کی بنیاد پر آپ نے حنفی مسلک کے بجائے دوسرے مسالک کو بھی راجح قرار دیا''۔(۱)

ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ''جمہور کے یہاں ایک بکری ایک ہی آدمی کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے، بلکہ بندے کے علم میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں! ابل وبقر (اونٹ اور گائے) میں اختلاف ہے، ایک خاص بات قابل توجہ یہ ہے کہ اگر ایک جانور مطلقاً سارے اہل بیت کیلئے قربانی کی ادائیگی میں کافی ہوتا تو "فاشترکنا فی البعیر سبعة" وغیرہ صحابہ کا فرمانا بظاہر بے سود ہے، اس لئے کہ پھر تو ایک خاص عدد کی قید بے کار ہے۔(۲)

ایک بار فرمایا: ''کل عالم مکلف بعلمه ''۔(۳)

تقلید سے اجتناب

جن لوگوں نے آپ کے دروس یا مجالس میں شرکت کی ہے، ان سے یہ مخفی نہیں کہ آپ مقلد نہیں تھے اور نہ لفظ تقلید آپ کے لئے زیبا ہے، زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ

(۱) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۳۰۔

(۲) مسلک سے متعلق ضروری وضاحت صفحہ ۲۲۔

(۳) الفرائد صفحہ ۹۱۔

حنفی مسلک کے متبع تھے اور جب دلائل سے کسی دوسرے مسلک کی قوت سمجھ میں آ جاتی تو اس کا اتباع کرتے اور کبھی کبھی آسان رائے پر بھی عمل کرتے۔

میں نے بار بار حنفی علماء کی مجلسوں میں لوگوں سے خطاب کرنے کے دوران آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں آپ لوگوں کی طرح حنفی نہیں ہوں، مولانا فیصل احمد ندوی لکھتے ہیں: ''ایک دن ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے حدیث پڑھاؤ، حدیث، حدیث کے لئے پڑھاؤ، مذہب کے لئے نہیں، مذہب کیا چیز ہے، اس کی تقویت کے لئے دلائل لانے کی ضرورت نہیں، میں ایک بات کہتا تھا کہ تقلید عوام کیلئے، علماء کے لئے جن کی نظر حدیث پر گہری ہو، ان کیلئے اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے، یہ بات پھر مجھے ابن عبدالسلام کے یہاں ملی، ان کے فتاوی دیکھ رہا تھا، اس میں یہ بات انہوں نے ایک جگہ لکھی ہے۔(۱)

متاخرین احناف سے اختلاف

حنفی مسلک سے اختلافات کے نمونے آئندہ صفحات میں آئیں گے، آپ کا زیادہ اختلاف متأخرین سے ہے، آپ فرماتے تھے کہ میں متأخرین احناف کی تخریجات پر زیادہ اعتماد نہیں کرتا، البتہ صاحب مذہب حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد سے جو کچھ منقول ہو اس پر اعتماد کرتا ہوں۔(۲)

مزید فرماتے ہیں: ''متأخرین کی تخریجات ہمارے یہاں غیر معتبر ہیں، میں تو ان کتابوں پر زیادہ نظر نہیں کرتا، بلکہ سیدھے مبسوط سرخسی دیکھتا ہوں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے یہاں بھی متأخرین فقہاء کی تخریجات حجت نہیں تھیں''۔(۳)

(۱) مجالس محدث العصر صفحہ ۶۳-۶۴۔
(۲) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۳۰۔
(۳) مسلک سے متعلق ضروری وضاحت صفحہ ۸۳۔

تعصب وتنگ نظری سے دوری

آپ تعصب وتنگ نظری سے بہت دور تھے، ایک بار فرمایا: ’’کوئی تعصب نہیں ہونا چاہئے، صحیح حدیث میں کوئی بات ہو تو ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اس کے خلاف کہیں یا کریں‘‘۔(۱)

فرمایا: ’’غلو کسی بھی چیز میں مت کرو‘‘۔(۲)

ایک بار فرمایا: ’’اختلاف کا جو سنجیدہ طریقہ ہے اس طریقہ سے علمی دلائل کی روشنی میں اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، غلطیاں دونوں طرف سے ہوتی ہیں، اختلاف کرنے والے اختلاف میں حدود وقیود اور ادب وتہذیب کا لحاظ نہیں رکھتے اور اس طرح اختلاف کرتے ہیں، جس سے مخالفت، بے ادبی اور عناد ظاہر ہوتا ہے، اور جن کی رائے سے اختلاف کیا جاتا ہے ان کی غلطی یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری توہین ہوگئی، ہماری ناک کٹ گئی‘‘۔(۳)

فروعی اختلاف

فروعی اختلاف کو اہمیت نہ دیتے اور کسی بھی رائے پر عمل کرنے کی گنجائش کے قائل تھے، فرماتے ہیں: ’’افسوس یہ ہے کہ فی زمانہ جس چیز کی ضرورت ہے اس سے تغافل کر لیا گیا اور فروعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، حالانکہ سلف صالحین میں یہ سب صورتیں تھیں، کوئی کسی پر عمل کرتا تھا اور کوئی کسی امر پر، پھر ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم ہوتی تھی، افسوس ہے کہ اس زمانہ میں ہر طرف سے انکار حدیث کا فتنہ ہو رہا ہے، جو اصل دین اور سرمایہ ملت

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۱۳۱۔

(۲) ملفوظات مع مختصر سوانح صفحہ ۷۱۔

(۳) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۵۳۔

ہے جس کے بغیر قرآن کا سمجھنا اور دین پر باقی رہنا محال ہے اس کی طرف توجہ نہیں، حالانکہ سب سے زیادہ ضرورت اس طرف توجہ کرنے کی ہے، مگر نہ معلوم لوگ کیوں اس قسم کے فروعی اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں، جو اختلاف فی المباح سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے"۔(۱)

حنفی مسلک سے اختلاف کے نمونے

ایک بار کسی کے جواب میں لکھا: "یہ عجیب بات کہہ دی کہ اگر کوئی کسی کی ہر بات میں موافقت کرتا ہو اور اتفاق سے ایک یا دو باتوں میں جو اس کے نزدیک اولی اور راجح ہیں اگر موافقت نہ کرے تو کیا ایسے شخص کو اس کا مخالف قرار دیں گے؟ ہرگز نہیں، اس قسم کا اختلاف تو باپ اور بیٹوں میں ہوا کرتا ہے، استاد اور شاگردوں میں ہوا کرتا ہے، مگر اس کو مخالفت سے تعبیر نہیں کرتے ہیں، اب اگر اتفاق سے اتباع امام نے امام صاحب سے بعض مسائل میں دلائل کی وجہ سے مخالفت کی ہے، تو یہ متابعت کے خلاف نہیں ہے، آخر حضرات صاحبین نے حضرت امام ابوحنیفہ کی کتنے مسائل میں مخالفت کی ہے، پھر کوئی ان کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ امام صاحب کے خلاف ہیں؟ میرے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ایک بلکہ اس سے بھی زیادہ مسائل میں اگر کوئی مخالفت کرے اور دلیل کے تابع ہو کر کرے تو یہ مخالفت امام نہیں ہے"۔(۲)

وہ کیا مسائل ہیں جن میں شیخ نے فقہ حنفی سے اختلاف کیا؟ وہ بیسیوں مسائل ہیں بلکہ سینکڑوں ہو سکتے ہیں (۳)، ذیل میں چند نمونے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) نوادر الفقہ صفحہ ۶۴۔

(۲) مسلک سے متعلق ضروری وضاحت صفحہ ۶۴-۶۵۔

(۳) مجالس محدث عصر صفحہ ۹۱۔

نبیذ سے وضوء

احناف کے یہاں نبیذ پاک ہے، اس کا پینا جائز ہے، اوراس سے وضوصحیح ہے، لیکن آپ اس رائے کو کمزور سمجھتے تھے، ایک بار فرمایا:"القول بجواز التوضی بالنبیذ قول ضعیف"۔(۱)

موزوں پر مسح

کپڑے کے موزوں پر مسح کرنے کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے، حنفی مسلک کے ائمہ میں صاحبین کے نزدیک موٹے کپڑوں کے موزوں پر مسح جائز ہے، خود امام حنیفہ رحمہ اللہ کو حالت مرض میں کپڑوں کے موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، آپ کی رائے بھی اس مسئلہ کے متعلق آسانی پر عمل کرنے کی تھی، کپڑے کے موزوں پر مسح کرتے تھے۔(۲)

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا ٹوٹنا

صحیح مسلم شریف کی حدیث کی وجہ سے اس کے قائل تھے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، گرچہ حنفی مسلک اس کے خلاف ہے۔(۳)

---

(۱) الفرائد صفحہ ۹۱۔

(۲) الفرائد صفحہ ۱۹۳/ راقم نے اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں دلائل دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۳) الفرائد صفحه ۱۹۳/قال الإمام مسلم فی باب الوضوء من لحوم الإبل ، حدثنا أبو كامل فضيل بن حسين الجحدری، حدثنا ابو عوانه، عن عثمان بن عبدالله بن موهب، عن جعفر بن ابی ثور، عن جابر بن سمرة أن رجلا سأل رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم أتوضأ من لحوم الغنم، قال: إن شئت فتوضا وإن شئت فلا توضأ، قال: أتوضأ من لحول الإبل؟ قال: نعم فتوضأ من لحوم الإبل، قال: أصلی فی مرابض الغنم؟ قال: نعم، قال: فی مبارك الإبل قال: لا۔

اقامت میں افراد

احناف کے نزدیک اقامت کے کلمات کی تعداد اذان کے کلمات کی طرح ہے، اوران پر قد قامت الصلاۃ کا دوبار اضافہ ہے، دوسرے بہت سے علماء کے نزدیک اقامت کے کلمات اذان کے نصف ہیں، اسے اصطلاح میں افراد کہتے ہیں، آپ اس رائے کے قائل تھے، اوراقامت میں افراد کی رائے کوترجیح دیتے تھے۔(۱)

رفع یدین

تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات کے وقت رفع یدین میں ائمہ کا اختلاف ہے، احناف کے نزدیک رفع نہ کرنا راجح ہے، آپ رفع یدین کے قائل اوراکثر اس پر عامل تھے۔(۲)

شیخ حامداکرم البخاری فرماتے ہیں: ”یرفع یدیہ عندالرکوع والرفع منہ“۔(۳)

سینہ پر ہاتھ رکھنا

کچھ علماء کے نزدیک نماز میں ہاتھ نہ باندھنا بہتر ہے، احناف کے نزدیک مردوں کے لئے ناف سے نیچے اورعورتوں کے لئے سینہ پر ہاتھ باندھ افضل ہے اورعلماء کی ایک جماعت کے نزدیک مردوں اورعورتوں سب کے لئے سینے پر ہاتھ باندھنا بہتر ہے، آپ اسی رائے پرعمل کرتے تھے، شیخ حامدالبخاری لکھتے ہیں: ”ویقبض علی الصدر“۔(۴)

(۱) الفرائد صفحہ ۱۹۳۔

(۲) مجالس محدث عصر صفحہ ۶۴۔

(۳) مجالس المقالات والذکریات صفحہ ۱۷۵۔

(۴) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۷۵۔

سری نمازوں میں قراءت خلف الإمام

حنفی مسلک یہ ہے کہ سری اور جہری دونوں نمازوں میں مقتدی خاموش رہے، نہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور نہ قرآن شریف کا کوئی حصہ، آپ ان علماء کی رائے پر عمل کرتے تھے، جو سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں، مولانا فیصل ندوی لکھتے ہیں: ''سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کوضروری سمجھتے تھے''۔(۱)

بسم اللہ کا جہراً پڑھنا

مفتی زید فرماتے ہیں: ''احقر حضرت شیخ رحمہ اللہ کوتراویح میں قرآن پاک سناتا تھا، تراویح کا پہلا دن تھا، سورۂ بقرہ کی ابتداء میں احقر نے بسم اللہ زور سے نہیں پڑھی تو سلام کے بعد حضرت نے فرمایا کہ تم نے بسم اللہ کیوں نہیں پڑھی؟ احقر نے عرض کیا کہ پڑھی تھی، فرمایا کہ جہر کرنا چاہئے، امام عاصم کے یہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے اور ہم لوگ انہیں کی قراءت پڑھتے ہیں، اور آثار صحابہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر اس کی واضح دلیل ہے کہ بسم اللہ کو بین السورتین فصل کے لئے نازل کیا گیا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعہ سے سورت کے اول وآخر کو پہچانتے تھے، ان سب دلائل کے سامنے صاحب بدائع کی بحث مرجوح ناقابل اعتبار ہے''۔(۲)

عصر مثل اول پر

آپ ظہر کے وقت کے اختتام اور عصر کے وقت کے شروع کے سلسلہ میں متشدد نہ تھے اور دونوں رایوں پر موقع ومحل کی رعایت سے عمل کرتے تھے، آپ کبھی کبھی عصر مثل اول پر

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۶۴۔ (۲) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۹۶-۹۷۔

پڑھتے تھے۔(۱)

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک قول کے مطابق پچاس سے زائد مسائل میں اپنے سابقہ اقوال سے رجوع منقول ہے، مفتی مہدی حسن صاحب نے ''اللآلی المصنوعۃ فی الروایات المرجوعۃ'' نامی رسالہ میں ان مسائل کو جمع کیا ہے، اور دومثل سے ایک مثل کی طرف رجوع حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی نے مجموعہ فتاوی میں متعدد کتابوں سے نقل کیا ہے، حضرت شیخ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''مثل اور مثلین دونوں قول مفتی بہ ہے، جب کہ درمختار اور شامی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مثل واحد کے بعد کوئی عصر کی نماز پڑھ لے تو صاحب درمختار وغیرہ کی رائے پر درست ہے، اور بلاد شامیہ وغیرہ میں بہت سی جگہ احناف کا اس پر عمل ہے، اس لئے اگر کوئی ایسا کرے تو بندہ کے نزدیک یہ خروج عن المذہب نہیں۔(۲)

شفق احمر کے وقت عشاء

اخیر عمر میں مختلف اعذار کی وجہ سے شفق اول میں پڑھنے لگے تھے۔(۳)

جمع بین الصلاتین

آپ سفر میں جمع بین الصلاتین کرتے تھے، بلکہ بیماری میں بھی جمع کرتے تھے، مجھ سے کئی بار فرمایا: میں مدینہ منورہ سے ظہر کے وقت مکہ مکرمہ جارہا تھا، میں نے مسجد نبویؐ میں ظہر وعصر کے درمیان جمع کیا، میرے ساتھ دیوبند کے کچھ علماء تھے، انہوں میرے طرز پر نکیر کی، میں خاموش رہا، جب میں مکرمہ پہنچ گیا، تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۳۰۔

(۲) الیواقیت الغالیہ جلد ۱ر صفحہ ۲۳۵۔

(۳) مسلک سے متعلق ضروری وضاحت صفحہ ۸۴۔

نے عصر کہاں پڑھی؟ کہنے لگے کہ قضا ہوگئی۔

ایک بڑے مدرسے کے مؤقر شیخ الحدیث کے بارے میں ان کے معتبر شاگرد نے بتایا کہ امریکہ کے سفر میں جب کئی کئی گھنٹے جہاز میں گزارنا پڑتا ہے اور ظہر اور مغرب کی نماز کے لئے خطرہ ہو جاتا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ نماز کیسے پڑھتے ہیں، کیا جمع کر لیتے ہیں؟ انہوں نے بڑی بے شرمی سے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ ہم قضا پڑھتے ہیں، مسلک نہ جائے خواہ نماز قضا ہو جائے۔

شیخ کو اس طرز عمل سے سخت نفرت تھی، وہ فرماتے تھے کہ جب حدیث میں گنجائش ہے اور بہت سے علماء اس کے قائل ہیں تو مسلک کی یہ بے جا پابندی کیوں؟۔(۱)

محمد زیاد التکلفہ لکھتے ہیں: "وهو دائم الوصية بالسنة والتمسك بالسنن وعدم التعصب، وعمليا يطبق السنن الثابتة وإن خالفت المذهب، مثل الجمع بين الصلاتين فى السفر"۔(۲)

نماز میں حضور قلب

آپ سے حدیث ''لا صلاة إلا بحضور القلب'' کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"هذا من حديث القصاص والوعاظ، ولم أقف له على اصل بهذا اللفظ، واستدل به بعض الصوفية، على أنه لا يصح صلاة من لا يحضره قلبه، وقد يرويه بعضهم بلفظ" لا ينظر الله إلى صلاة لا يحضر الرجل فيها قلبه مع بدنه"۔

وكذا أورده الغزالى فى الإحياء (۱/ ۱۳٤) لكن قال العراقى فى تخريج الإحياء: لم أجده بهذا اللفظ، وروى محمد بن نصر فى كتاب الصلاة من رواية عثمان بن أبى دهرش مرسلاً: "لا يقبل الله من عبد عملاً حتى يشهد قلبه

(۱) مجالس محدث عصر صفحہ ۶۲۔ (۲) الفرائض صفحہ ۹۔

مع بدنه"، ورواه أبو منصور الديلمى فى مسند الفردوس من حديث ابى بن كعب، وإسناده ضعيف، انتهى۔

وقد يرويه بعضهم بلفظ"ليس للمرء من صلاته إلا ما عقل" هكذا ذكره الدميرى فى حياة الحيوان، وذكر عن جماعة من المتصوفة أنهم استدلوا به على أن السهو مفسد للصلاة۔

قلت: وهذا تجاوز، ولم يرد به الشرع قط، وقد شرع سجود السهو لدرك النقصان الواقع بالسهو، فإن كان السهو مفسدات لغت شرعية سجود السهو (نعوذبالله منها)۔

وقد وقع للنبى صلى الله عليه وسلم سهو وتداركه بالسجود كما هو مدون فى الصحاح والمسانيد، وجاء ت به أخبار شهيرة، وعمل به السلف والخلف، فإن كان هذا الصوفى القائل لذلك القول من أهل الحق فمع كون هذا الكلام مخالفاً للنصوص يمكن تأويله بأنه أراد بذلك أن من غلب عليه الوسواس وهو لا يدرى مايقول وما يفعل فصلاته فاسدة، كما قد ذهب إليه بعض الفقهاء.

قال الحافظ ابن تيميه فى منهاج السنة(٣/ ٤٩): الوسواس الخفيف لا يبطل الصلاة باتفاق العلماء، وأما إذا كان هو الأغلب فقيل: عليه الإعادة، وهو اختيار أبى عبدالله بن حامد، وقال فى فتاواه (١٥/ ٢٣٦): وهو قول طائفة من العلماء والصوفية من أصحاب أحمد وغيره كأبى عبدالله بن حامد، وقال موضع آخر(٢٢/ ٦١٢): هذا قول أبى عبدالله بن حامد وأبى حامد الغزالى وغيرهما"۔

قال ابن تيميه: والصحيح الذى عليه الجمهور وهو المنصوص عن أحمد

وغيره أنه لاإعادة عليه، ففى الصحيحن عن أبى هريرة عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: إذا أذن المؤمن أدبر الشيطان وله ضراط حتى لايسمع التأذين، فإذا قضى التأذين أقبل، فإذا ثوب بالصلاة- يعنى الإقامة-أدبر، فإذا قضى التثويب أقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه يقول: اذكر كذا اذكر كذا لما لم يكن يذكر، حتى يظل الرجل إن يدرى كم صلى، فإذا وجد ذلك أحدكم فليسجد سجدتين".

وهو عام مطلق فى كل وسواس، ولم يؤمر بالإعادة لكن ينقض أجره بقدر ذلك.

قال ابن عباس: ليس لك من صلاتك إلا ماعقلت منها:" وفى السنن عن عمار بن ياسر أنه صلى صلاة فخففها، فقيل له فى ذلك، فقال: هل نقصت منها شيئا؟ قالوا: لا، قال: فإنى بدرت الوساوس، وأن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إن الرجل ينصرف من صلاته ولم يكتب منها إلا عشرها أو تسعها أو ثمنها حتى قال إلا نصفها، وهذا الحديث حجة على ابن حامد فإن أدنى ماذكر نصفها، وقد ذكر أنه يكتب له عشرها، انتهى۔(۱)

غائبانہ نماز جنازہ

حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ غائبانہ صحیح نہیں، لیکن آپ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل تھے۔

دیہات میں جمعہ

عام حنفی فقہاء کی طرح آپ دیہات میں جمعہ قائم کرنے کے سلسلہ میں اتنے متشدد نہیں

(۱) الیواقیت الغالیۃ ۲/ ۶۳-۶۴۔

تھے، ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ''جمعہ فی القری میں حنفیہ متشدد ہیں: لقو علی لا جمعۃ ولا تشریق اِلا فی مصر جامع، رواہ عبدالرزاق بسند صحیح''۔

دوسرے ائمہ کے یہاں اتنی تشدید نہیں ہے، مخصوص شرائط اگر ہوں تو وہ لوگ جمعہ کو جائز کہتے ہیں، جیسے استیطان اور چالیس کا عدد امام شافعی و امام احمد کے نزدیک اور بارہ کا عدد امام مالک کے نزدیک، چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اوران علاقوں میں عامۃ احناف رہتے ہیں، اس لئے آپ انتشار کا سبب بننے سے بچیں، ایسے وقت کہیں اور چلے جایا کریں، سنا ہے دیوبند والے کچھ نرمی کے قائل ہیں، وہاں سے فتوی منگا کر عمل کیا جاسکتا ہے۔(۱)

یوم الشک کو قضا کا روزہ

مفتی زید صاحب فرماتے ہیں: ''شعبان کی تیس تاریخ تھی لیکن کہیں سے رمضان کے چاند کی اطلاع نہیں آئی تھی، حضرت نے فرمایا معلوم تو ایسا ہی ہو رہا ہے جیسے آج ہی رمضان ہے، خیر ابھی انتظار کرلوں، کافی انتظار کے بعد فرمایا کہ بھائی میں نے تو روزہ کی نیت کرلی ہے، احقر نے عرض کیا کہ حضرت ابھی چاند ہونے کی اطلاع تو کہیں سے آئی نہیں، فرمایا کہ پاکستان میں تو چاند ہوگیا ہے، اور پاکستان اور یہاں کا مطلع ایک ہی ہے، جو فرق ہے وہ معمولی ہے، پھر فرمایا لیکن چونکہ صحیح اطلاع نہیں ہے، اس لئے میں نے قضا روزہ کی نیت کی ہے، ویسے رمضان کے برکات مجھ کو رات ہی سے محسوس ہو رہے ہیں، احقر کے دل میں آیا کہ اس دن یعنی یوم الشک میں قضا روزہ رکھنا بھی تو مکروہ ہے، لیکن کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی، حضرت نے خود ہی فرمایا کہ اس دن قضا رکھنا مکروہ ہے، یہ صرف احناف کے یہاں ہے، ورنہ جمہور کے نزدیک بالکل درست ہے''۔(۲)

---

(۱) نوادر الفقہ صفحہ ۵۳-۵۴۔ (۲) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۱۱۵۔

خیار مجلس

حضرت ابن عمر کی حدیث: "إذا تبایع الرجلان فکل واحد منهما بالخیار مالم یتفرقاً" **پر فرمایا:** "ھذا الحدیث نص فی خیار المجلس"۔(۱)

(۱)الفرائد صفحہ ۱۹۵۔

فصل ہفتم

شیخ یونس اور کلام

آپ محدثین کے اصول اور سلف کے منہج کے مطابق تفصیل کے ساتھ عقائد کی تشریح کرتے ،خوارج ،شیعہ، جبریہ، قدریہ، مرجیہ، معتزلہ اور دیگر فرقہ باطلہ کی برملا علمی تردید کرتے، اشاعریہ وماتریدیہ کے اقوال ودلائل کی کمزوریاں واضح کرتے، مولانا ایوب صاحب نے بخاری شریف کی آخری کتاب ''کتاب التوحید'' پر آپ کی تقریر شائع کی ہے، جواب ''الفیض الجاری'' کی آخری جلد میں شامل ہے،توحید وکلام کے موضوعات پر'' نبراس الساری'' کی کتاب الایمان اور کتاب التوحید پر شائع شدہ آپ کی اس تقریر میں وہ تمام ضروری تفصیلات موجود ہیں جن کا آپ اپنے دروس میں اعادہ کرتے اور جن پر زور دیتے۔

صفات کے متعلق آپ کا مسلک

صفات باری کے بیان میں اسلامی فرقوں میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے،بعض فرقوں کی تشریح تعطیل سے قریب ہے،اور بعض کی تشریح تشبیہ سے قریب، یہاں تک کہ وہ مکاتب فکر جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے جیسے اشاعرہ وماتریدیہ غلبہ تنزیہ میں ظاہری معانی سے قطع نظر کر کے بہت سی صفات کی توجیہہ وتاویل کرتے ہیں،سلف اور خاص طور سے محدثین کا مسلک یہ رہاہے کہ ان صفات کو ان کے ظاہری مفہوم پر محمول کیا جائے؛لیکن تشبیہ سے بچا جائے، ان صفات کی کیفیات کے سلسلہ میں تفویض ہی سب سے محفوظ راستے ہے،سلف کا مشہور مقولہ ہے:'' الاستواء معلوم، والکیف مجھول،

والإیمان به واجب، والسوال عنه بدعة“۔

حضرت شیخ اس سلسلہ میں سلف کے مسلک کے متبع تھے اور اس کا اظہار ہمیشہ کھل کر کرتے، چنانچہ اس تقریر میں فرماتے ہیں: ”میں اس سلسلہ میں سلف صالحین کا ہم خیال ہوں، میرا خیال صفات کے بارے میں یہی ہے کہ جو صفات قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں اور جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں وہاں ہمیں اعتراف کرنا چاہئے، آگے اس کی تاویل وتوجیہہ کچھ بھی نا کرنی چاہئے، نہ تشبیہ سے کام لیا جائے نہ تعطیل سے، تشبیہ مجسمہ کا قاعدہ ہے اور تعطیل نفاۃ معطلہ کا قاعدہ ہے، دونوں کے قاعدے سے احتراز کرنا چاہئے۔(۱)

اسی بات کی تاکید کرتے ہوئے شیخ حامد اکرم بخاری فرماتے ہیں: ”وأذكر أنی جئته -فی زیارته الأولی- فوجدته یتکلم عن أسماء اللّٰه وصفاته، ویذکر صفة الاستواء، والید والسارق، والقدم، والکلام ونحوها، ویقرر مذهب السلف فی إثباتها علی حقیقتها، من غیر تکییف ولا تأویل ولا تعطیل ولا تشبیه، ویذکر کلام البخاری والترمذی وغیرهما من أئمة السلف“۔

” ثم قال: أنا علی هذا المعتقد، وبه أدین اللّٰه، وهذه العبارة کان یکررها دوماً، کثیراً ما کان یقول: أنا علی عقیدة السلف، أنا سلفی المعتقد، سمعته منه عدة مرات، وکان کثیرا ما یکرر ویقول: أنا علی مذهب الإمام البخاری فی الاعتقاد والفقه“۔(۲)

ہمارے دوست شیخ محمد الحریری لکھتے ہیں کہ: دار قطنی کی کتاب الصفات کی حدیث ”یحمل الخلائق علی اصبع“ کی تشریح کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا: ”ونحن نقول بإثبات الأصابع، والاشاعرة ینکرون ذلك، مع أن فیه عشرة أحادیث، وقولهم غلط“۔(۳)

(۱) الفیض الجاری آخری جلد صفحہ ۳۹۰۔

(۲) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۷۱۔

(۳) الفرائد صفحہ ۱۹۲۔

نزول باری کے بارے میں فرمایا: ''نزول (یعنی اللہ کا نزول قریبی آسمان پر) ہوتا ہے، اس پر ایمان لاتے ہیں مگر کیفیت نزول کیا ہے ہمیں معلوم نہیں، اللہ مستوی علی العرش ہے، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن کیفیت کیا ہے، ہم اس کو نہیں جانتے ہیں''۔(۱)

ایک بار فرمایا: ''الصواب إثبات الفوقية للّٰه جل وعلا، ولا اذهب إلى اقوال المتكلمين''۔(۲)

سلف صالحین کے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: ''میں اس مسئلہ میں بہت صفائی کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں متکلمین کے توغل کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتا ہوں، اس لئے کہ انہوں نے عقائد اسلام کو کلام اہل یونان خلط کرنے اور کلام اہل یونان کو اصل بنا کر نصوص کو اس طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے۔(۳)

''فیکشف عن ساق'' پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ان نصوص کے بارے میں اپنا مسلک بتا چکا ہوں کہ سلف صالح کا طرز تسلیم وتفویض مجھے پسند ہے، اس لئے ''یکشف عن ساق'' کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور کوئی تاویل نہ کی جائے۔(۴)

فرمایا: ''اگر تسلیم وتفویض کا مسلک اختیار کیا جائے تو میرے نزدیک اسلم یہی ہے''۔(۵)

القرآن کلام اللہ

اس مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ بڑا نازک ہے، اس میں انسان کو بہت زیادہ غلو نہ کرنا چاہئے، بس جتنا قرآن وحدیث میں وارد ہوا اس پر ایمان لائے، آگے سکوت کرے، اللہ تعالی شانہ کلام فرماتے ہیں، کلام اللہ کی صفت ہے، قدیم ہے، مخلوق نہیں ہے، القرآن کلام اللہ غیر مخلوق''۔(۶)

---

(۱) الفیض الجاری آخری صفحہ ۴۰۰۔
(۲) الفرائد صفحہ ۱۹۴۔
(۳) الفیض الجاری آخری جلد ۴۱۱۔
(۴) الفیض الجاری آخری جلد ۴۲۸۔
(۵) الفیض الجاری آخری جلد ۴۳۷۔
(۶) الفیض الجاری آخری جلد ۴۵۹۔

قرآن کریم کے متعلق متکلمین کی تدقیقات پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ یہ خوض فیما لایعلم کے قبیل سے ہے اور میں اس طرح کی چیزوں کو پسند نہیں کرتا ہوں "وللإنسان أن ينتهي إلى ماسلف" حضرات سلف نے اس چیز کے متعلق کوئی غور وخوض نہیں کیا، وہ تو اس کتاب کو جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سامنے پیش کیا تھا یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اللہ کا کلام سمجھ کر ہی سنتے اور پڑھتے تھے۔(۱)

تکفیر کا مسئلہ

آپ نے فرمایا: "اگر کسی کے اندر سو باتوں میں سے ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو ایمان والی بات کو ترجیح ہوگی اور اس پر کفر کا فتوی نہیں لگے گا، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، اس لئے کسی پر کفر کا حکم لگانا بہت مشکل ہے"۔(۲)

جہمیہ کے عقائد کے رد کی وجہ

فرقہ جہمیہ منسوب ہے جہم بن صفوان کی طرف، سلف جتنی شدت سے جہمیہ کے عقیدہ کی تردید کرتے ہیں وہ شدت دوسرے فرقوں کی تردید کے وقت کم نظر آتی ہے، یہاں تک کہ صدیوں کے بعد بھی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ اپنی مختلف کتابوں میں اس فرقہ کی پرزور اور مدلل تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جہمیہ کا عقیدہ کیوں اتنا سنگین سمجھا گیا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "امام بخاری نے خاص طور سے الرد علی الجہمیۃ کا جو عنوان قائم کیا وہ اس لئے کہ عقیدہ کے باب میں ان کا مسلک انتہائی فاسد ہے، کیونکہ وہ اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں، حتی کہ ان کے قول کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ ہے ہی نہیں، اگر ان سے پوچھو اللہ بصیر ہے؟ نہیں، سمیع ہے؟ نہیں، متکلم ہے؟ نہیں، مرید ہے؟ نہیں؟

(۱) الفیض الجاری آخری جلد ۴۸۱۔ (۲) علمی واصلاحی ارشادات صفحہ ۱۰۰۔

حي ہے؟ نہیں، ہر چیز کی نفی کرتے چلے جارہے ہیں، تو گویا اللہ کو مانتے ہی نہیں۔(۱)

سلف کا اتباع

ایک دفعہ فرمایا: ''میں عقیدہ میں سوفی صد سلفی ہوں اور عملاً حدیث کا پابند ہوں''۔(۲)

اعتقاد ابی عبداللہ البخاری آپ کے سامنے پڑھی گئی تو فرمایا: ''وہذہ عقیدتی''۔(۳)

یعنی امام بخاری کا عقیدہ میرا عقیدہ ہے۔

خلف کے مسلک کی ناپسندیدگی

خلف کے طریقہ کار پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ سب مسائل صفات اور متشابہات کے قبیل سے ہیں، اس کے اندر اسلم یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالح کے مسلک کو اختیار کیا جائے، یعنی تسلیم وتفویض سے کام لیا جائے اور خلف تاویل کے قائل ہیں، مگر میں خلف کے مسلک کو پسند نہیں کرتا ہوں''۔(۴)

متکلمین پر تنقید

متکلمین نے جس طرح اہل یونان کے کلام کو اصل بنا کر قرآن وحدیث کی واضح نصوص کو ان کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے اس کے خطرات سے کون ناواقف ہے، ان کی دوراز کار بحثوں میں اسلامی عقائد کی حیثیت یا تو قوالی کی ہوگئی ہے، یا ان عقائد کی حقیقت ان فلسفیانہ موشگافیوں میں گم ہو کر رہ گئی ہے:

طبع مشرق کیلئے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوالی سے کچھ کمتر نہیں علم کلام

---

(۱) الفیض الجاری آخری جلد ۳۵۲۔ (۲) ملفوظات مع مختصر سوانح صفحہ ۲۲۵/ ومجالس محدث عصر صفحہ ۶۴۔

(۳) الفرائد صفحہ ۱۹۱۔ (۴) الفیض الجاری آخری جلد ۴۱۰۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں: ''میں اس مسئلہ میں بہت صفائی کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں متکلمین کے توغل کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتا ہوں، اس لئے کہ انہوں نے عقائد اسلام کو کلام اہل یونان سے خلط کر کے اور کلام اہل یونان کو اصل بنا کر نصوص کو اس طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے''۔

علامہ اقبال نے اس علم کلام پر اس طرح نوحہ کیا ہے: ؎

ابن مریم مرگیا یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق، حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسائل کے لئے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے ہوئے لات ومنات

اشعریہ وماتریدیہ

اشاعرہ وماتریدیہ کی تاویلات کو بھی پسند نہ فرماتے، لیکن ان کے معاملہ میں زیادہ سختی برتنے کے قائل نہ تھے، فرماتے تھے: " لا أوافق الأشعرية والماتريدية، لكن لا أشدد الطعن فيهم، بل اجتهدوا فأخطأوا"۔(۱)

یعنی میں اشاعرہ اور ماتریدیہ سے اتفاق نہیں کرتا، لیکن ان کو زیادہ مطعون بھی نہیں ٹھہراتا، ان کی غلطی اجتہادی غلطی ہے۔

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۲۷۔

ایمان کی کمی زیادتی

اس سلسلہ میں محدثین کے مسلک پر تھے اور ایمان میں کمی اور زیادتی کے قائل تھے، اور فرماتے: ”اشهد علی انی اقول بذلك“۔(۱)

(۱) الفرائد صفحہ ۱۹۱۔

فصل ھشتم

شیخ یونس اور تصوف

آپ تصوف میں بھی عظیم مقام پر فائز تھے،صوفیاء کے طرق وسلاسل اور مناہج واوراد سے آپ کو کامل واقفیت تھی اور دو عظیم شیوخ حضرت مولانا اسعداللہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمہم اللہ سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی؛لیکن عام مشائخ کے برعکس تصوف کی شطحات وخرافات سے کوسوں دور تھے، بلکہ ان پر نکیر کرنا اپنا فریضہ سمجھتے اوران کے ازالہ کی فکر کرتے۔

آپ کے درس سے ہرایک کواندازہ ہوجاتا کہ آپ کی نگاہ میں شریعت کا صحیح ومستند علم وضعی تصوف کے مقامات سے کس قدر اعلی وارفع ہے، جب کہ عام طور سے اہل علم کے حلقوں میں بھی اس وقت خلافت واجازت طریقت کا بازار گرم ہے،شرم سے سر جھک جاتاہے کہ بڑے بڑے اہل علم کے ساتھ تصوف کے احوال ومقامات کے سابقے اورلاحقے لگائے جاتے ہیں،اوراس وضعیت وصنعت کے بالمقابل علم کتاب الٰہی وسنت نبوی کی کس قدر توہین کی جارہی ہے، حال ہی میں آپ کے شاگرد مفتی شبیر احمد صاحب نے یہ قصہ سنایا کہ سہارنپور کے ایک سفر کے دوران کسی نے میرا تعارف کرایا کہ یہ فلاں شیخ کے خلیفہ ہیں، میں نے ان صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو یہ بات یاد رہی ، اور یہ بھول گئے کہ میں تیس سالوں سے حدیث شریف پڑھارہاہوں،سخت افسوس ہے کہ علم کی قیمت دلوں سے نکل گئی۔

سنت سب سے اچھا راستہ

آپ ہمیشہ سنتوں پر زور دیتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معصومہ ہی کو زندگی کی برکتوں اور آخرت کی ترقیات کا ذریعہ سمجھتے تھے، ایک بار فرمایا: " السنة فيها كل شئ وكل بركة"۔(۱)

یعنی سنتوں میں ہی سب کچھ ہے اور انہیں میں ساری برکتیں ہیں، ایک بار فرمایا: "النفوس تزكى باتباع السنة"۔(۲)

یعنی سنتوں کے اتباع سے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے، مزید فرمایا: " من يتبع السنة لاحاجة له ان يقلق بشأن دينه أو دنياه، فإن الله يعتنى بشأنه ويحميه"۔(۳)

یعنی جو سنتوں کی پیروی کرتا ہے اسے اپنے دین اور اپنی دنیا کی فکر کی ضرورت نہیں، اللہ اس کا خیال رکھے گا اور اس کی حفاظت فرمائے گا۔

تصوف پر تنقید

تصوف جس طرح ایک پیشہ بن گیا ہے، اس پر ناگواری کا اظہار فرماتے، تصوف کے انحراف پر سخت تنقید فرماتے تھے، اور اس میں غلو کو نقصان دہ سمجھتے تھے، ایک بار فرمایا: "تصوف میں غلو مجھے پسند نہیں ہے۔(۴)

ایک بار فرمایا: "جب سلسلہ چشتیہ شروع ہوا تو بدعات شروع ہوئیں، چشتیہ کے کم ہی بزرگ ہیں، جن سے اتباع سنت منقول ہے"۔(۵)

مزید فرمایا: " صوفیوں کی کتابوں سے پرہیز کرو، اکثر صوفیہ جاہل تھے، ان سے گمراہیاں پھیلتی ہیں اور بسا اوقات آدمی دین سے نکل جاتا ہے"۔(۶)

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۹۲۔
(۲) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۹۲۔
(۳ قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۹۲۔
(۴) مجالس محدث عصر صفحہ ۲۷۴۔
(۵) مجالس محدث عصر صفحہ ۱۴۷۔
(۶) مجالس محدث عصر صفحہ ۴۶۶۔

وحدۃ الوجود کے قائلین پر نکیر

کثرت سے ابن عربی، شمس تبریز، رومی اور حافظ شیرازی وغیرہ پر نکیر کرتے، ان کے افکار وخیالات کی شناعت ظاہر کرتے، ایک بار فرمایا: ''یہ ابن عربی، ابن فارض سب اسلام سے خارج ہیں، دیکھتے نہیں ابن فارض کا کیا حال ہوا آخری وقت میں؟ حق سے اعراض معلوم ہوتا ہے، رومی بھی خبیث ملحد ہے، شمس تبریز نے اس کو گمراہ کیا جو شیعہ تھا۔(۱)

ایک بار فرمایا: ''قرأ ابن تيميه كل مايتعلق بالقوم فأفتى بكفرهم''۔(۲)

یعنی امام ابن تیمیہ نے ان صوفیہ سے متعلق ہر چیز کو پڑھا، پھر ان کے کفر کا فتوی دیا۔

ایک دوسری بار فرمایا: ''وحدت الوجود کیا ہے؟ ہر چیز ایسی بری گندی سب کو خدا کہا جائے، اس نے دین کو تباہ کیا، میں صاف کہتا ہوں، میرا مسلک اس سلسلہ میں وہی ہے جو علامہ ابن تیمیہ کا ہے کہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ دین اسلام سے خروج وارتداد ہے۔(۳)

وحدت الوجود کے قائلین کے تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''كلامهم مبنى على إلغاء الشريعة''۔(۴)

ایک بار فرمایا: ''میرے نزدیک یہ سارے اتحادی وحدۃ الوجود کے قائل کافر ہیں''۔(۵)

محمد زیاد التکلہ تحریر فرماتے ہیں: ''سمعناه مرارا يشد النكير على أهل وحدة الوجود، ويصرح بزندقة رموزها بأسماهم، ولا سيما ابن عربى''۔(۶)

مولانا روم کو بہت سخت وسست کہتے اور ان کو زندیق گردانتے، آپ کی مجلسوں میں شرکت کرنے والوں کی شہادت ہے: '' كان ينكر على جلال الدين الرومى مثنويه، ويراه زنديقا من أهل الحلول والوحدة، ويعتذر لمن أحسن الظن به من

(مجالس محدث عصر صفحہ ۴۶۶) | (۲) الفرائد صفحہ ۱۰۴۔
(۳) مجالس محدث عصر صفحہ ۴۷۲۔ | (۴) الفرائد صفحہ ۱۰۴۔
(۵) مجالس محدث عصر صفحہ ۳۰۰۔ | (۶) الفرائد صفحہ ۱۰۔

شیوخه بحسن نیتهم، وسلامة طویتهم، وأنهم لم یمعنوا النظر فی جمیع أجزاء المثنوی"۔(۱)

یعنی مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی پر نکیر فرماتے، انہیں زندیق اور حلول اور وحدت الوجود کے قائلین میں سے سمجھتے، آپ کے شیوخ میں سے جن لوگوں کا مولانا روم کے بارے میں حسن ظن تھا اسے ان شیوخ کی سلامت باطن اور خوبی نیت پر محمول کرتے، اوران کی طرف سے یہ کہہ کر معذرت کرتے کہ انہوں نے مثنوی کے سارے حصوں کو غور سے نہیں پڑھا۔

حافظ شیرازی کے بارے میں فرمایا:"إنه کان شیعیا بحتا ما رأیته مدح أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم"۔(۲)

وہ خالص شیعہ تھا، میں نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اسی طرح سرمد کے متعلق فرمایا:"کان سرمد یهودیا"یعنی وہ یہودی تھا۔(۳)

عبدالوہاب شعرانی کے بارے میں فرمایا:"الشعرانی من الغلاة، لاأحبه"۔(۴)

یعنی شعرانی غالی لوگوں میں سے تھے، میں انہیں پسند نہیں کرتا۔

اخلاص وجرأت

جن لوگوں پر آپ نے یہ سخت تنقیدیں فرمائے ہیں، وہ تصوف کے رموز واکابرین میں سے ہیں، ہندوستان کے تصوف کے حلقوں میں بلکہ خود آپ کے اساتذہ اور آپ کے مکتبہ فکر کے منتسبین کی نگاہوں میں ان میں سے اکثر کو عظمت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس طرح واضح لفظوں میں ان سے براءت کا اظہار اوران کے انحرافات کی

(۱) قلائد المقالات والذکریات صفحہ ۱۴۲۔ (۲) الفرائد صفحہ ۹۵-۹۶۔
(۳) الفرائد صفحہ ۹۶۔ (۴) الفرائد صفحہ ۹۷۔

نشاندھی آپ کے اخلاص کی دلیل ہے، اور راہ حق میں آپ کی بے مثال جرأتمندی کی شہادت اور یہ جرأت ہندوستان میں شیخ احمد سرہندی کے یہاں نظر آتی ہے، مکتوبات کی بہت سی تصریحات آپ کی رائے کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

راقم کو مولانا روم اور حافظ شیرازی کے متعلق آپ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے اور میں نے ''الفرائد'' میں اس کا اظہار بھی کیا ہے، تاہم مجھے آپ کی حق گوئی کی قدر ہے اور آپ کے اس پاکیزہ جذبہ کا احترام ہے کہ آپ نے اللہ کے راستہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کی، اللہ تعالی آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کو اپنا جوار و قرب نصیب کرے۔ آمین

خاتمہ

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

قدرت نے حضرت شیخ یونس کی ذات میں ہمارے مدرسوں کو ایک بیش بہا محقق عالم عطا کیا تھا، آپ کی ذات علم و تحقیق کا ایک تراشا ہوا ہیرا تھی، آپ حیرت انگیز دماغی اہلیتیں لیکر پیدا ہوئے تھے، جس ماحول میں تھے تنہا تھے، سفر و حضر میں اجنبی تھے، لوگوں کا ہجوم آپ کے ارد گرد رہتا؛ لیکن نہ ان کو آپ سے مناسبت تھی اور نہ آپ کو ان سے، آپ نے وقت کے قافلوں کا نہ ساتھ دیا اور نہ ان میں کوئی دلچسپی لی: ؎

ازاں کہ پیروی خلق گمرہی آرد
نمی رویم براہ کہ کارواں رفتست

معمولی حرف شناسوں کو علمی اعزازات اور نعامات سے نوازا گیا، کتنے کوتاہ دستوں اور واماندگان راہ کو خضر والیاس کا لقب دیا گیا، کسی کو قیس اور کسی کو کوہ کن کا خطاب عطا کیا گیا اور بعض نامحرماں اسرار کو ابوحنیفہ ثانی، بیہقی وقت اور پتہ نہیں کیا کیا کہا گیا، آپ کو نہ کسی اعزاز کی خواہش تھی، نہ کسی لقب کی ہوس اور نہ کوئی انعام حاصل کرنے کی تڑپ، آپ القاب سے بے رغبت تھے، مناصب سے بے نیاز اور ہر مادی کشش سے بے پروا:

سخن از تاب وتب شعلہ بہ خس نتواں گفت

ایک ایسا شخص جس کی عظمت کا گواہ صرف مظاہر علوم کا دارالحدیث نہیں، بلکہ اس کی جلالت شان کے شاہد ہیں ہندوستان کے بڑے اور چھوٹے مدارس، برصغیر کے علماء ومشائخ، انگلینڈ اور جنوبی افریقہ کے دانش کدے اور حرمین شریفین کی مجالس حدیث وروایت، عرفی نے ماتم کیا ہے کہ تمام شہر ودیار چھان ڈالے لیکن:

''نیافتم کہ فروشند بخت در بازار''

یہی حال آپ کی علمی کاوش اور بحث وتحقیق کا ہے، وہ بازاروں میں نہیں ملتی، بلکہ اب وہ سانچے ہی نہیں باقی جن میں اہل بحث وتحقیق ڈھلا کرتے ہیں، طرز قدیم آپ کو مظاہر میں میراث میں ملا تھا اور جدید کے لئے خود راہ نکالی:

تاریخ واقعات شہاں نانوشتہ ماند

افسانۂ کہ گفت نظیری کتاب شد

آپ مفخرۂ ہندوستان تھے، مگر اس سرزمین نے آپ کو نہیں پہچانا، نہ آپ کی قیمت جانی، یہ سطریں میں نے اس ظلم سے بیتاب ہوکر لکھی ہیں جسے آپ نے صبر وعزیمت کے ساتھ گوارا کیا، آپ کے شاگردوں اور فیضیابوں کی ناشکری سے زخمی ہوکر ان خیالات کا اظہار کیا گیا، آپ پر کتنا صادق ہے یہ مصرعہ:

آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

آپ کے تئیں کی جانے والی تمام ناقدریوں اور آپ پر روا رکھی جانے والی تمام زیادتیوں کا جواب یہ ہے کہ آپ کی روایت کو زندہ کیا جائے، آپ کے طریقۂ کار کی اشاعت کی جائے اور علوم اسلامیہ کے مطالعہ میں تحقیق کی نئ روح پھونکی جائے، ضرورت ہے کہ نئ نسل بحث وتحقیق کے میدان میں آپ کے منہج کو اچھی طرح سمجھے، آپ کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر آپ کے نقش قدم پر چلے اور آپ کی تقریرات وتصنیفات سے تجدید بیعت کرے:

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا

یہاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله النبى الكريم وآله وصحبه أجمعين۔

مراجع

(۱) ملفوظات محدث کشمیری: مولانا احمد رضا صاحب بجنوری (ملتان)
(۲) الحیلۃ الناجزۃ فی الحلیلۃ العاجزۃ: حکیم الامت اشرف علی تھانوی (دیوبند)
(۳) الیواقیت الغالیۃ چار جلدیں: شیخ الحدیث محمد یونس جونپوری۔
ترتیب محمد ایوب سورتی، مجلس دعوۃ الحق، انگلینڈ۔
(۴) نبراس الساری فی ریاض البخاری تین جلدیں: ترکیسر، گجرات۔
(۵) الفیض الجاری فی دروس البخاری دو جلدیں: ترکیسر گجرات
(۶) نزہۃ الخواطر، الثقافۃ الإسلامیۃ فی الھند: مولانا عبد الحئ حسنی ندوی۔
(۷) سیرت محمد علی مونگیری: سید محمد حسنی، لکھنؤ۔
(۸) ملفوظات مع مختصر سوانح: محمد جابر بن عمر پالن پوری، گجرات
(۹) اصول الافتاء وآدابہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، کراچی۔
(۱۰) قلائد المقالات والذکریات فی شیخ الحدیث العلامۃ محمد یونس جونپوری:
محمد بن ناصر العجمی، دار المقتبس، بیروت۔
(۱۱) تذکرہ سلیمان: مولانا غلام محمد کراچی۔
(۱۲) نقش دوام: مولانا انظر شاہ کشمیریؒ۔
امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے سوانح علمی وعملی شاہکار سیاسی افکار دینی نظریات اور تحقیقات وتفردات کا ایک بسیط جائزہ، دیوبند۔
(۱۳) الکوکب الدری علی جامع الترمذی: مولانا رشید احمد گنگوہی، لکھنؤ۔
(۱۴) باقیات فتاوی رشیدیہ: مطبع: کاندھلہ
(۱۵) حیات شبلی: سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ
(۱۶) جواز عکسی تصاویر کی شرعی بحث: مطبع: دہلی

(۱۷) تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم۔	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، لکھنؤ۔
(۱۸) مجالس محدث عصر:	مولانا فیصل ندوی، لکھنؤ۔
(۱۹) الفرائد فی عوالی الاسانید وغوالی الفوائد:	محمد اکرم ندوی، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت
(۲۰) نوادر الفقہ مع اللالی المنشورۃ:	مولانا محمد زید مظاہری ندوی، لکھنؤ۔
(۲۱) نوادر الفقہ:	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کے علمی واصلاحی ارشادات اور چند علمی کمالات مع مختصر سوانح، مولانا محمد زید مظاہری ندوی، گجرات۔
(۲۲) تحفۃ العلماء:	مولانا محمد زید مظاہری ندوی، لکھنؤ۔
(۲۳) حیات شیخ الحدیث:	مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی، سہارنپور۔
(۲۴) مقالات شبلی، سفرنامہ مصر وروم وشام:	علامہ شبلی نعمانی اعظم گڑھ، دہلی۔

کتاب اور صاحب کتاب

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ندوی نے یہ کتاب ''فکر یونس'' ایک نئے انداز اور البیلے اسلوب میں تحریر کی ہے اور حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب کی فکر، ان کا نظریہ، ان کا علمی مقام، حدیث کے میدان میں ان کا رتبہ اور ان کی مرجعیت، سوچنے اور سمجھنے کا ان کا انداز، ان کی فراست و تدبر، ان کا طرز تدریس، ائمہ متقدمین کی کتابوں و مراجع سے ان کی واقفیت اور متاخرین کی آراء کا محققانہ تجزیہ، علم فقہ، علم کلام اور تصوف میں ان کی مجتہدانہ و محدثانہ شان اس انداز سے پیش کی ہے جو عام دیگر مصنفین اور مؤلفین کی کتب میں شاید نہ ملے، جس سے خود مصنف کی علمی رفعت و بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ندوی خود بڑے عالم دین، محقق و ناقد، عظیم مصنف، مفکر اور قلمکار ہیں، مولانا بیک وقت اردو، عربی اور انگریزی میں تحریر و خطابت کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کا علم بہت وسیع، ان کی فکر بہت بلند اور ان کا انداز تحریر بہت عمدہ ہے، وہ جب لکھتے ہیں تو ان کا قلم موتی بکھیرتا ہے، وہ جب بولتے ہیں تو ان کی زبان سے پھول جھڑتے ہیں، مولانا نے حضرت شیخ کے حالات اور ان کی اسناد پر عربی زبان میں ''الفرائد فی عوالی الاسانید و غوالی الفوائد'' کتاب لکھی ہے، جو بہت مقبول ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم صاحب بڑے محدث ہیں، ان کی معرکۃ الآراء اور مشہور کتاب ''محدثات'' ہے، جس کی چالیس سے زیادہ جلدیں ہیں، اور ''دار المنہاج'' جدہ سے شائع ہورہی ہے، جس میں دس ہزار سے زیادہ محدثات کا تذکرہ ہے، طبقہ نسواں پر تاریخ انسانی کی یہ سب سے عظیم اور اہم کتاب ہے۔

ماخوذ از مقدمہ:

مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی